



U 6963



تذکرہ  
۲۵

تذکرہ  
میرزا محمد علی

میرزا محمد علی

۹۲۸, ۹۱۴۴  
۲۵  
۲۵



یورپین شعرا اُردو

یو رہیں شعراءِ اُردو کے حالات اور ان کے کلام کے نمونے

جاری نہ انکا !۔ تا۔ لئے۔ دیگی

تَبَّحَ  
مُحَمَّدٌ سِرَّ عَلِيٍّ

اداره اشاعت اردو

حیدر آباد (وکن)

قیمت ۱۲۰۰

۶۲۸,۶۱۴۳

سرد

تعداد طبع: ————— ایک ہزار

پایچ ۱۹۴۴ء

عالمی  
مطبوعی

رتزاقی مشین پریس - حیدرآباد (دکن)

## دیباچہ طبع دوم

آج سے ۸۰ سال قبل یورپین شعراء اردو کا تذکرہ شائع کیا گیا تھا چونکہ اردو ادب میں یہ ایک نئی چیز تھی اس لئے قدر کی نظر سے دیکھی گئی اخبارات و رسائل کی جانب سے حوصلہ افزا تبصرے لکھے گئے۔ مشاہیر علم و ادب نے بھی بہت اچھی رائیں ظاہر کیں۔ اس ہمت افزائی نے مرتب کو اس موضوع پر مزید تحقیق و تلاش کا شوق دلایا۔ اس سلسلہ تلاش میں مزید یورپین شعراء اردو کے حالات اور ان کا کلام دستیاب ہوا۔ اس کے بعد اس تذکرہ کے طبع دوم کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ یہ ادیشن بہت کچھ اضافہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ اہل علم پہلے سے زیادہ اس کی قدر فرمائیں گے۔

محمد سردار علی



۶۷۱۱  
۶۷۷۹

## دیباچہ طبع اول

سنة ۱۲۹۸ء میں سب سے پہلے اہل یورپ نے ساحل ہندوستان پر قدم رکھا یہ لوگ حکومت اور ملک گیری کے شوق و ہوس میں نہیں بلکہ تجارت اور روپیہ پیدا کرنے کی غرض سے ہندوستان آئے یورپین اقوام میں سب سے پہلے پرتگیز ہندوستان آئے۔ پہلا یورپین شخص جس نے ساحل ہندوستان پر قدم رکھا وہ واسکو ڈی گاما تھا جس کا جہاز اگست ۱۴۹۸ء میں ساحل کالیکنٹ پہنچا۔ پرتگیزوں نے ہندوستان میں تجارت کے ساتھ ساتھ مذہبی تبلیغ بھی شروع کی اور رفتہ رفتہ بڑا اقتدار حاصل کیا اور تھوڑی مدت میں ایک عظیم الشان تجارتی قوت قائم کر لی۔ اس کے بعد پرتگیزوں نے اپنی تجارتی قوت و اقتدار کے بل پر طرح طرح کے مظالم شروع کر دیے ان کے ہولناک مناظر کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے۔ ان کی طوفان بے تمیزی سے ساری قوم بدنام ہو گئی۔

پرتگیزیوں کی حکومت ہندوستان میں کچھ عرصہ تک شباب پر رہی اس کے بعد اس کا خاتمہ ہو گیا اور ظالم حکومت کا جو انجام ہونا چاہیئے وہی ہوا۔ لیکن ہندوستان میں ان کے بعض آثار باقی رہ گئے اور اب تک باقی قائم ہیں۔ ان کی بڑی یادگار وہ ہے جو وہ ہندوستان کی زبانوں پر چھوڑ گئے ہیں۔

ہندوستان کے ان مقامات میں جہاں یورپین لوگوں کی آبادیاں تھیں وہاں دیسیوں کے ساتھ معاملات، کاروبار اور بات چیت میں ایک دوسرے کو اپنا مافی الضمیر سمجھانے کے لئے یورپین باشندوں کو کچھ نہ کچھ دینی یا سکینے پر مجبور ہونا پڑا۔ خود ہندوستانی زبانوں نے ہی پرتگالی اثر قبول کیا۔ اس طرح سے بہت سے پرتگالی الفاظ اردو میں شامل ہو گئے اسی طرح فرانسیسی اور پرتگالی زبانوں کا بھی اردو زبان پر اثر پڑا۔ پرتگالی فرانسیسی اور پرتگالی قوموں کے بعد انگریز ہندوستان آئے اور ایسے آئے کہ رفتہ رفتہ تمام ملک کے مالک بن گئے۔

یورپین باشندوں کو زبان کی تحصیل کے بعد ان کو اس زبان میں کتابیں لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ یورپین مصنفین کی اردو تصانیف و کتابیں اگرچہ ادبی حیثیت سے اہم نہیں ہیں لیکن تاریخی لحاظ سے وہ بہت کچھ قابل قدر ہیں۔

سترہویں صدی کے یورپین سیاحوں نے اپنے سفر ناموں اور خطوط میں اردو زبان کا ذکر کیا ہے لیکن اٹھارویں صدی سے یورپینوں نے اردو

زبان کی طرف زیادہ توجہ کی۔ ہندوستانی صرف و نحو پر سب سے پہلے جان شوکلر نے جو پریشا کا باشندہ تھا لاطینی زبان میں ایک کتاب لکھی جسے ڈیوڈل نے ۱۶۴۳ء میں شائع کی۔ اس کتاب کا سن تالیف ۱۶۱۵ء ہے شیخس ولندیزیوں کی جانب سے شاہ عالم (۱۶۰۸-۱۶۱۲) اور جہانڈ شاہ (۱۶۱۲) کے دربار میں بھیجا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ناظم تجارت بنایا گیا۔ ۱۶۱۶ء میں ایران چلا گیا۔ اس نے لاطینی میں اردو زبان کا لغت بھی لکھا ہے۔

شوکلر کی صرف نحو کی اشاعت کے ایک سال بعد مشری شیلز کی اردو صرف نحو لاطینی زبان میں ۱۶۴۴ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۶۴۴ء میں ہیڈلے نے اردو کی صرف نحو شائع کی۔ ایک اور یورپین نے اردو لفظ کی ایک مختصر فرہنگ لکھی جس میں ایک دوسرے کے مقابل مترادف الفاظ درج کئے گئے ہیں۔ ۱۶۴۸ء میں ایک اردو گرامر ترکیزی زبان میں لڑبن سے بھی شائع ہوئی۔

اس کے بعد سے یورپین مصنفین کا دوسرا دور شروع ہوا۔ صرف نحو سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے دوسرے موضوعات کی طرف توجہ کی۔ ۱۶۴۳ء میں فرگسن نے ہندوستانی زبان کی ایک لغت لکھی۔ ۱۶۸۷ء کے بعد سے اردو کے بہت بڑے محسن ڈاکٹر گل کرائسٹ کی تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اردو زبان پر بہت سی قابل کتابیں لکھی ہیں جن کی انگریزی ہندوستانی لغت بہت مشہور ہے۔

گل کرائسٹ نے ۱۸۲۰ میں ایک اردو میگزین "رسالہ" کے نام سے شائع کیا تھا جس کے چند پرچے اس وقت امپریل ریکارڈ آفس کلکتہ میں محفوظ ہیں۔ یورپین مصنفین نے جب لغت نویسی کی طرف توجہ کی تو اس سلسلہ میں بعض اچھے لغات لکھے گئے گلیڈون نے فارسی و ہندوستانی زبان کی ایک لغت لکھی جو ۱۸۰۹ء میں بمقام کلکتہ طبع ہوئی۔ مسٹر جان شیکسپیر کی اردو لغت ۱۸۱۷ء میں طبع ہوئی۔ ڈیوگن فارلس کی ہندوستانی لغت ۱۸۲۷ء میں لندن میں چھپی۔ برٹرنیڈ نامی ایک فرانسیسی نے بھی ایک اردو لغت لکھی جو ۱۸۵۸ء میں پیرس میں طبع ہوئی پلیٹ اور برائس کی اردو لغات بھی مشہور ہیں۔ اسی زمانہ میں ڈاکٹر فیلن نے اردو کی کئی لغات لکھیں۔ ان کی ہندوستانی انگریزی لغت بہت مشہور ہے۔ اہل زبان کی بعض اردو لغات بھی ڈاکٹر فیلن کی اسی لغت سے ماخوذ ہیں۔

اردو زبان کا عاشق اور اردو ادب و تاریخ کا سب سے بڑا یورپین پرستار ایک فرانسیسی ہے جس کا نام گارسان دتاسی ہے۔ اگرچہ وہ ہندوستان کی کئی زبانیں جانتا تھا لیکن اردو زبان سے اس کو عشق تھا۔ ہر جگہ اور ہر مجلس میں وہ اردو زبان کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اردو زبان میں فخر کے ساتھ خط و کتابت کرتا تھا۔ اس کے اردو خطوط پیرس کی نیشنل لائبریری میں محفوظ ہیں۔ گارسان دتاسی ہر سال اردو علم و ادب کے ارتقا اور تاریخ پر لکچر دیا کرتا تھا یہ لکچر بہت دلچسپ اور پراز معلومات ہیں۔ اس نے بہت سی اردو کتابوں کے فرانسیسی ترجمے بھی شائع کئے اور اپنے ملک و قوم کو اردو تصانیف

سے روشناس کرایا۔

تاسی کی بہترین تالیف تذکرہ شعرائے اردو ہے جو تین جلدوں میں بہ زبان فرانسیسی شائع ہوا ہے۔ اس میں تقریباً تین ہزار اردو ہندی شعرا و مصنفین کے حالات درج ہیں۔ منشی کریم الدین کا مشہور تذکرہ طبقات الشعرا اسی تیاری کا ملخص آواز ترجمہ ہے۔

انگریزوں نے اردو زبان پر یہ احسان عظیم کیا کہ ہندوستان کے سیول اور فوجی یورپین افسروں کی مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لئے مارکوس آٹیلزلی گورنر جنرل ہندستان کی سرپرستی میں بمقام فورٹ ولیم کالج ایک کالج قائم کیا ڈاکٹر گل کرائسٹ اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا فرض اس خوبی و سرگرمی کے ساتھ ادا کیا کہ اردو زبان کو ہمیشہ کے لئے ممنون احسان بنالیا۔

انگریزوں کا اردو پر یہ بھی احسان ہے کہ ۱۸۴۶ء میں جب فارسی زبان سرکاری دفاتر سے متروک ہو گئی تو اس کی جانشینی کے لئے اردو کو منتخب کیا گیا۔ حکومت کی نظر میں ہندوستان کی زبانوں میں سوائے اردو کے کوئی دوسری زبان اس قابل نہیں سمجھی گئی کہ سرکاری دفاتر کی زبان بن سکے۔ صدر عدالت دیوانی سے حکم نافذ کیا گیا کہ تمام ماتحت عدالتوں میں اردو زبان کو رواج دیا جائے اردو تصانیف پر انعامات مقرر ہوئے مدارس میں اردو کی تعلیم شروع کی گئی۔ اردو زبان کے ساتھ انگریزوں کی دلچسپی اس واقعہ سے بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ آج سے تقریباً پچاس ساٹھ سال پیشتر جو اردو اخبارات صوبہ

متحدہ اور پنجاب سے شائع ہوتے تھے نصف یا تہائی کے قریب ان کے خریدار انگریز ہوتے تھے۔

خود ملکہ معظمہ و کٹوریہ قیصر ہند کو بھی اردو سیکھنے کا شوق ہوا۔ اگرہ کے مولوی برکت اللہ صاحب ملکہ کو اردو پڑھانے کے لئے لندن بھیجے گئے۔ ملکہ نے تھوڑے عرصہ میں اس قدر اردو سیکھ لی کہ آپ اپنا روزنامہ اردو میں لکھا کرتی تھیں۔

یہاں تک تو نثر اردو کا ذکر ہوا مگر ہمارے متعلق باوجود کوشش و تحقیق کے اس بات کا پتہ نہیں چل سکا کہ اہل یورپ میں اردو کا سب سے پہلا شاعر کون ہے۔ لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کے یورپین باشندوں میں اردو شعر کا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ اس زمانہ میں اردو شاعری شباب پر تھی۔ مگر گھر شعر و سخن کے چرچے تھے اور جا بجا مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ یورپین باشندوں اور ہندوستانیوں میں مخلصانہ تعلقات کے باعث اکثر اہل یورپ مسلمانوں کی مجلسوں اور صحبتوں میں شریک رہا کرتے تھے۔ غالباً اسی میل جول سے اہل یورپ میں شعر و شاعری کا مذاق پیدا ہوا اور شعر کہنا شروع کیا۔

اسی تذکرہ میں جن یورپین شعراء اردو کے حالات درج ہیں ان میں بعض اردو کے بہت اچھے اور صاحب دیوان شاعر ہیں۔ کئی اصناف سخن میں ان کا کلام پایا جاتا ہے۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

۱۰  
 اس میں شک نہیں کہ یہ تذکرہ اپنی قسم کا پہلا تذکرہ ہے۔ اس سے  
 قبل اردو زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی البتہ بعض مشہور  
 یورپین شعراء اردو پر منتشر مضامین ضرور شائع ہوئے ہیں۔  
 اس تذکرہ کی تالیف و ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے  
 ان کے نام بعنوان ”ماخذ تالیف“ درج کئے گئے ہیں۔

حیدر آباد دکن  
 یکم ربیع الاول ۱۳۴۳ھ {  
 محمد سرار علی

## ماخذ تالیف

- ( ۱ ) طبقات الشعراء از منشی بحریم الدین مطبوعہ دہلی ۱۸۴۸ء
- ( ۲ ) گلشن بنجارا از نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ
- ( ۳ ) سخن شعراء از عبد الغفور خاں نسلخ
- ( ۴ ) نخبانہ جاوید از لالہ سری رام ام - اے
- ( ۵ ) انتخاب یادگار از منشی امیر احمد مینائی
- ( ۶ ) یادگار ضیغ از محمد عبد اللہ خاں ضیغ
- ( ۷ ) تذکرہ فرح بخش از نواب یار محمد خاں
- ( ۸ ) گلستان بے غزاں از حکیم قطب الدین خاں باطن
- ( ۹ ) خطبات گارساں و تاسی
- ( ۱۰ ) انتخاب دواوین از سید فضل الحسن حسرت موہانی
- ( ۱۱ ) سراپا سخن از سید محسن علی بیجو
- ( ۱۲ ) شہستان عالمگیری مرتبہ عالمگیر محمد خاں محمود
- ( ۱۳ ) ادبی دنیا لاہور ۱۹۳۷ء
- ( ۱۴ ) رسالہ اردو ( انجمن ترقی ہند )



## یورپین شعراءِ اُردو

الکزمینڈر ہیڈرلی نام تخلص آزاد تھا۔ باپ کا نام جس  
 آزاد ہیڈرلی تھا ان کے خاندانی حالات کا پتہ نہیں چل سکا  
 البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ ان کے والد انیسویں صدی میں کے اوائل میں  
 دہلی آئے تھے۔ الکزمینڈر ہیڈرلی کے باپ نے مسلمان عورت سے شادی  
 کر لی تھی جس کی وجہ ہندوستانی معاشرت اختیار کی۔ آزاد کی پرورش  
 و تربیت بھی اسلامی طرز پر ہوئی اور مسلمانوں کی صحبت نے ان میں شعرو  
 سخن کا ذوق پیدا کر دیا تھا۔ آزاد اٹھارہ سال کی عمر میں شعر کہنے لگے۔  
 چونکہ فطرتاً ان کو شاعری کا مذاق تھا اس لئے بہت جلد ان کے کلام کی شہرت  
 ہو گئی۔ ان کے پاس بہت سے شعراء کا مجمع رہا کرتا تھا۔ آزاد نواب  
 زین العابدین خاں عارف دہلوی کے شاگرد تھے اور کبھی کبھی مرزا غالب

---

لے نواب زین العابدین خاں عارف دہلوی خلف نواب غلام حسین خان تخلص سرور شاگرد

سے بھی بذریعہ خط و کتابت اصلاح لیا کرتے تھے آزاد نے اپنے استاد عارف کی تعریف میں ایک قصیدہ اور ماتم میں ایک مرثیہ معہ تاریخ وفات لکھا ہے جو ان کے دیوان میں موجود ہے۔

آزاد کو فن طب میں بھی پوری دستگاہ تھی اور خصوصاً امراض کہنہ کے علاج میں بہت مشہور تھے۔ کہتے ہیں کہ مریضوں کو دوائیں بھی اپنے پاس سے مفت دیا کرتے تھے جس کی وجہ ان کی فیاضی کی شہرت بہت دور تک پہنچی تھی۔ اس فیاضی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا تمام سرمائے زندگی ختم ہو گیا مجبوراً ان کو ملازمت اختیار کرنی پڑی ریاست الوری میں انکو توپ خانہ کی کپتانی مل گئی۔ لیکن ملازمت اختیار کرنے کے ایک سال کے اندر ہی عالم شباب میں وفات پائی۔ تاریخ وفات ۲۷ جولائی ۱۸۶۸ء (۱۲۷۸ھ) ہے آزاد نے ۳۲ برس کی عمر میں انتقال کیا اس حساب سے ان کا سن ولادت ۶۱۸۲۹ ہونا چاہیئے۔

چونکہ آزاد فطرتاً ذوق شاعری اور ہمہ گیر طبیعت رکھتے تھے اس لئے انہوں نے ہر صنف کلام پر خوب طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کے کلام میں مضامین کی لطافت، الفاظ کی تلاش اور محاورات کی ترکیب قابلِ داد ہے۔ آپ نے نئے اسلوبِ تشبہیں اور استعارے استعمال کئے ہیں زبان بالکل صاف اور روانی بیاں سچہ کار شاعر ہونے کی دلیل ہے۔

۱۲  
الکزیٹر ہیڈرلی آزاد کے سوا کبھی کبھی الگ تخلص بھی استعمال کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ الگ الکزیٹر کا مخفف ہے۔

آزاد کی وفات کے بعد ان کے بڑے بھائی تھامس ہیڈرلی نے جو ریاست بہرت پور میں ڈپٹی تھے اپنے بھائی آزاد کے عزیز دوست میر شوکت علی فتحپوری کی مدد سے آزاد کا کلام جمع کر کے ترتیب دیا اور ۱۸۶۳ء میں مطبع احمدی آگرہ میں طبع کر کر شائع کیا۔ دیوان میں دو دیباچے ہیں۔ ایک فارسی دوسرا اردو۔ اول الذکر دیباچہ منشی شوکت علی صاحب فتح پوری نے لکھا ہے اور ثانی الذکر مختصر دیباچہ آزاد کے بڑے بھائی تھامس ہیڈرلی نے۔ دیباچہ کی زبان بہت صاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کے بڑے بھائی تھامس ہیڈرلی بھی اردو کے اچھے انشا پرداز تھے۔

جب نواب سرور الملک مرحوم کی خود نوشت سوانح عمری کا نامہ سروری کے نام سے شائع ہوئی تو آزاد کے متعلق یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ غدر کے بعد آزاد نے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنا نام جان محمد رکھا تھا۔ یہ اہم انکشاف کا رنامہ سروری کے حاشیہ ص ۴۹ میں درج ہے۔ آزاد کے دیوان میں قصائد، غزلیات، منظوم خطوط، تاریخی قطعات اور نظمیں ہیں اور صفحہ ۱۷۵ ہیں۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

نہے وحدت وہی دیر و عرم میں جلوہ آئے ازل سے محو ہوں جس کے جمال حیران فرما

میری صورت سب کہے دیتی ہو میرا راز دل<sup>۱۵</sup> میرے پیور دیکھ کر وہ مجھ سے بدلتی ہے

سوزش دل نے الہی کونسی کی تھی کمی جو جلانے کو میرے داغ جگر پیدا ہوا

تمام عمر رہا میں سمجھوں سے بیگانہ رہا میں اس پہ بھی غربت مگں وطن میں رہا  
حریص بائیسہتی تنہا کس و درآزاد تمام عمر تلاش میں نہ کہن میں رہا

صبح تک سب جانتے ہیں شہ کی سوسکتا ہوں نالہ پر شور سے ہے میر گھر گھر رت جگا

بزم میں اٹھتے ہی اٹکے رو روشن و نقاب جام مٹو سوج بنا مہتاب مینا بن گیا

آتا ہے نظر خانہ صیاد گلستاں جانے کا کہاں قصد کریں ہو کر راہم  
ہنگام سحر بادہ گساری کا مزہ ہے اوقات کریں اپنی تلف بہر دعا ہم

نویداے دل کہ رفتہ رفتہ گیا ہے اس کا حجاب آدھا  
ہزار مشکل سے بارے رخ پر سوا اس اٹا نقاب آدھا  
خدا کی قدرت ہے ورنہ آزاو میرا اور ان بتوں کا جھگڑا  
نہ ہو گا فیصل تمام دن میں مگر بروز حساب آدھا

۱۶  
میں نہ کہتا تھا کہ دے گا صایہ منہ پر چہا  
دیکھنا تم دیکھنا مت انجمن میں آئینہ

عیاں ہے سب میں کہاں ہے مخفی کب اس کا جلوہ نقاب میں ہے  
تصور اپنی نگاہ کا ہے و مگر نہ کب وہ حجاب میں ہے

نہ دے جو بوسہ گیسو نہ دے جواب تو دے  
بلا سے جو تجھے دنیا ہو دے شتاب تو دے

اس نے اس طرح کیا یک جو بگڑی ہم  
کچھ نہ کچھ بات رقیبوں نے بنائی ہو گی

اے اہل دید دیکھ تو آنکھوں سے کیا ہو آج  
اے سب کسی کئے گی میری عمر کس طرح  
اے جذبہ اتحاد یہی ہر مدد کا وقت  
میں کیا کہوں کہ دہر میں کیا ہو رہا ہو آج  
جو میرا جاں نواز تھا سو گیا ہو آج  
وہ غم میں مجھ کو چھوڑ گئے تہنا چلا ہو آج

کب دیکھ کے ڈرتے ہیں تیری لعن دو عالم  
تقدیر پہ شاکر ہے راضی برضا ہم  
گر ایک بلا وہ ہے تو ہیں ایک بلا ہم  
اب کس کی شکایت کریں و کس کا کلام

محفل سے ترے اٹھائیں گے ہم  
یوں غیر کا دل بٹھائیں گے ہم

ہو کے خاک عالم میں تیرے شگاہ پھرتے  
مصر میں حبیبی غبار کا ررواں پھرتے

ہم ازل سے میں کسی کی آستانِ کج جہاں<sup>۱۶</sup> ڈر نہیں ہم سی اگلاب آسمان پھرنے لگے

بارے خدا کے ہاں ہی تکلف قبول ہے نیلی فلک پہ ڈالی ستاروں کی جھول ہے

پہرنا ہوں تنگنائے جہانین چھپا چھپا طالع سے رستخیز کی طاقت نہیں مجھے  
کیا خاک اشتہا ہو کہ جینو سے سیر ہو بے وجہ فکر ترک معیشت نہیں مجھے

جس قدر روتے گئے رونا ہوا سو زجر آب اشک چشم گریاں سقِ روغن ہو گیا

بیکسی میں سخت مشکل ہر چھپانا راز کا رنگ شاہدِ شے شکست تو بے کی آواز کا

گریزاں کفر و دیں سے ہم ہر آزد و عالم نہ پہنچی ماہتہ تک تسبیح اور زنا رگِ ردن تک

جب سے پایا دشمنوں نے پاؤں کا میرے سراغ سر کے بل جاتا ہوں تب سے کوئی جانا کی فکر

کیا لطف ہے بے لطف ہو کر عیش تمہارا محفل میں اگر مجھ سے نہ شرماؤ تو آؤں  
کیا گھر میں تمہارے در و دیوار کو دیکھوں تم اپنی جو صورت مجھے دکھلاؤ تو آؤں

آج دشمن اگر خراب نہیں کیا زمانہ میں انقلاب نہیں

عقل سے باہر میری تیرہ بخشی کابیاں ۱۸  
 تیرے دیوانے کے پیچھے کیا ہر لڑکونکا ہجوم  
 سنگ موسیٰ ہو اگر لوں سنگ مرہا تہ میں  
 کچھ ہے پتھر جھولیوں میں کچھ ہے میں پتھر ہاتھ میں

غالب ہر نازان کا ہمارے نیاز پر  
 سوگالیاں ہمیشہ سنیں اک عاکسہ تھ

وہ مکدر ہوا ہے دل اس کا  
 ڈوب جانے میں کیا رہا باقی  
 کوئی صورت نہیں صفائی کی  
 آپ سے جب کہ آشنائی کی

ابرق - ہوئے سن ولادت ۱۸۷۶ء ہے۔ اوائل عمر میں انکی والد فوت ہو گئے۔ اُپنی کا ابتدائی زمانہ شکر کی نگرانی میں گزرا۔ اس زمانہ میں شاعری کا شوق ہوا۔ شکر کے والد فنا سے اصلاح لینے لگے۔ بعد میں مرزا عباس حسین ہوش لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ کچھ دن فلیکس گارڈنر فلک کو بھی اپنا کلام دکھاتے رہے۔ آپ نے ابتدا میں کئی تخلص اختیار کئے مثلاً نسیم شمیم اور شعاع بالآخر اُپنی اختیار کیا۔ اُپنی نے اپنے لئے مشن کی خدمت اختیار کی اور اپنی خدمت کے سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف مقامات میں پھرتے رہے۔ ہر جگہ ان کی شاعری کے چرچے ہونے لگے۔ اکثر مشاعروں میں ان کی غزلیں کامیاب رہتی تھیں۔ ۱۹۳۰ء تک زندہ تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

جو طالب حق ہے اسے حیراں نہیں دکھا<sup>۱۹</sup> ناحق کی کسی چیز کا خواہاں نہیں دیکھا

میں سہی مجنوں ہی دیوانہ بھی دانی ہی  
جھوٹ بولا کئے کہا یا کئے جھوٹی قسمیں  
ان کے آنے سو فقط ہوش و خود ہی گئے  
ان کی تصویر کو چھاتی سے لگا رکھا ہے  
نام پہ لوے سو نہ تم عشق کا لینا سبق  
ہوں مگر اے بت کافر ترا شیدائی ہی  
سچ ہی بولے کبھی سچ تم نے قسم کھائی ہی  
ساتھ ہی انکے گئے قوت گویائی ہی  
وصل کی شب و نہیں کم شبنائی ہی  
اس میں خفت بھی، ذلت ہی ہر سوائی ہی

پہر بہا راتے ہی زخم دل ہر اہو جاگا  
ہو گی پھر وحشت نئی سودا نیا ہو جاگا

عدو کی بات رہے امتحاں میں یا میری  
ادھر تو یار کھڑا ہے اودھر قضا میری  
حضور بال برابر ہو گر خطا میری  
مقابلہ میں محبت تو آزما میری  
عجب عذاب میں ہے جاں مبتلا میری  
سزا جو چور کی ہوتی ہے وہ سزا میری

خود گلے لپٹا میں جا کر یہ تمنا دل میں ہے  
جان اک پردہ نشیں کے عشق کی شکل میں ہے  
مجھ سے کہتے ہیں کہ اٹھ جا اور اپنا کھر بھی  
دیکھ تو لیں کتنا دم اس خنجر قاتل میں ہے  
لا نہیں سکتے زباں پر جو ہار ڈل میں ہے  
تو ہی بخش کا سبب سبق میری محفل میں ہے

بچنے ہی جو زلف انکی سنبھالی جائیگی  
سروانی میں کسی عاشق کے ڈالی جائیگی



جب کہا میں نے قہر کہا تو بولے ہنس کے وہ ۲۰  
گر قسم ہے چیز کہا نے کی تو کہا فی جا سگی

صبرِ نخت ہو گیا غم آ کے ہماں ہو گیا  
دل کا آنا ہی غضبے جان جاناں ہو گیا

قصد ہی جانب دل گر ترے پیکانوں کا  
شوق سی آئین گھر ہے انہیں مہانوں کا  
جبے دونوں تو فرادے سے مجنوں نے کہا  
تو پہاڑوں کا ہر مالک میں بیابانوں کا  
جبے اے جان کیا وصل کا وعدہ تم نے  
ہاتھ بہر کا ہے کلج میرے ارمانوں کا

غزل کے علاوہ اسبق نے نظمیں قطعات اور سہرے بھی لکھے ہیں۔

اسٹیفن یا اسٹیونس نام اسفان تخلص ہے۔ پہلی

**اسفان** - میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ یورپین تھے۔ ابتداً

غمر ہی سے اسفان کو اردو شاعری سے دلچسپی تھی اور ہمیشہ شعراء و علماء کی

صحبت میں بیٹھا کرتے تھے اسفان کا سن پیدائش یا سن وفات معلوم

ہو سکا لیکن اتنا معلوم ہوا ہے کہ ۱۸۰۲ء میں زندہ تھے خوب چند ذکا

لے ان کو اپنے خاص دوستوں میں شمار کیا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

خط کا یہ جواب آیا لکھا جو کبھی پھر خط  
کر ڈالوں گا اک دم میں تیرے آن کے

لے خوب چند ذکا نصیر الدین نصیر عرت کو کے شاگرد تھے ان کی فرمائش پر عیار الشعراء کے نام سے اردو

شعراء کا ایک تذکرہ لکھا ہے۔ ذکا نے ۱۸۲۶ء میں وفات پائی۔

۲۱  
اور لیس۔ ولیم کارڈنر نام اور لیس تخلص تھا نمونہ کے لئے ایک  
شعر ملاحظہ ہو۔

آنکھ تک آیا نہیں دل میں کہاں پہنچا کیا تصور نے نکالی ہے ترے راہ نئی

اسمتہ کے حالات معلوم نہ ہو سکے البتہ اتنا معلوم ہوا  
اسمتہ - ہے کہ وہ راپور میں کمشنر کے عہدہ پر مامور تھے۔ اردو  
زبان میں کافی دستگاہ تھی۔ نمونہ کلام کے لئے ایک غزل کے چند شعر ملے ہیں۔  
یہ غزل راپور کے کسی مشاعرہ کے لئے لکھی تھی۔

تب دوری سے دل جل سار ہا ہے	نہ وہ ہمد نہ وہ جل سار ہا ہے
خرو کا پاؤں کچھ جل سار ہا ہے	جنوں کی فوج کی سن آمد آمد
جو خیمہ چرخ کا ہل سار ہا ہے	کسی عاشق کا نعرہ چرخ زن ہے
کہ غم سینہ میں دل مل سار ہا ہے	مجھے اس واسطے ہے تمللا ہنٹ
کہ دشمن اس سے اب مل سار ہا ہے	غنیمت جان اسمتہ آگیا ہے

اشعار میں جنوں کی فوج خیموں کا ہلنا اور دشمن کا ملنا صاف طور پر  
اسمتہ کے فوجی مشاغل کا پتہ دے رہے ہیں۔

۲۲  
 بلتھڑ نام اسیر تخلص ہے۔ اردو کے اچھے شاعر اور شاہ  
 اسپر - نصیر دہلوی کے نامی شاگردوں میں تھے۔ ظفر یاب خاں صاحب  
 کے خاص دوست تھے۔ نہایت شجاع اور قوی تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔  
 شمع فانوس میں درپردہ جلی ہے دیکھو      شعلہ آہ نکالے ہے جگر سے باہر

ہم اس آئینہ رو کے ہجر میں یوں زیست کرتے ہیں  
 کہ سکتے کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

ایرن جبکب نام ایرن تخلص ہے۔ گورکھپور میں سکو  
 پذیر تھے اردو شعر و سخن کے ساتھ ان کی طبیعت کو  
 خاص لگاؤ تھا۔ ریاض خیر آبادی سے ملند تھا اس سے زیادہ حال معلوم  
 نہیں ہوا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ترا تیر دل سے جدا ہو رہا ہے      یہ ظلم اوکماندار کیا ہو رہا ہے  
 یہ کیا چپکے چپکے شکایت ہوئے دل      خبردار کس کا گلہ ہو رہا ہے  
 لگی چوٹ ایرن کے دل پر یہ کیسی      کہ ہر وقت ذکر خدا ہو رہا ہے

ہاتھ میں سوجھے لب پر ہر ترانہ آتے      بس یہی نین ہی میرا یہی ایمان ہے ہر

خبر اسن نہیں کیا ہو گی ادا ل ۴۳ مگر یہ یاد ہے پہلو میں تہا دل

محبت سے رکھنے کے قابل ہے حسین حبّ مائل ہوں وہ دل ہے  
میرے بت سے اچھی سہی ہو جنت مگر پیار کرنے کے قابل ہے

نکلتی کس طرح ہو دیکھ جائیں جان پہلی نظارہ ہو دم آخر بڑے آرزو دل کی  
ستم ایسا نہ کرائے باغبانِ فصل ہارنی گر بُن بکلیاں ایسا نہو آہیں عدا دل کی

یہ کمر سپینا مرزا سلیمان شکوہ گارڈنر کی چوٹی بہن ایلین کر سپینا  
عرف رقیہ بیگم ہی شاعر تھیں۔ بطور نمونہ ایک شعر درج ہے۔

حشر کے روز جو غور شید نمایاں ہوگا یہ یقین دل کو وہ عکس رخ جاناں ہوگا

مسٹر آرچرٹن کا تخلص جمعیت تھا۔ ان کے شوہر  
جمعیت میجر آرچرٹن اگر وہ میں رہتے تھے۔ جمعیت اردو  
فارسی بقدر ضرورت جانتی تھیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

روٹھا ہے ہمارا جو وہ دلبر کئی دن اس واسطے رہتی ہو نہیں مضطر کئی دن سے

۲۴ مقسوم کی خوبی ہے قیمت کا ہوا احسا رہتا ہے تھا مجھ سے جو دلبر کئی دن سے

خدا کے روبرو جانان دامت مجھ کو پہنچا کوئی نیکی نہ بن آئی اسی کی شرمساری ہے

خفی - خفی تخلص بلیک صاحب بہادر کی دختر تھیں۔ زیادہ  
حال معلوم نہیں ہوا نمونہ کلام یہ ہے۔

جن سے ہم آشنائی کرتے ہیں ہم سے وہ بیوفائی کرتے ہیں  
اے خفی اپنے اشک بے تاثیر مفت میں جگہ تنہائی کرتے ہیں

خود شوق اسیری سے پہنچنے ام میں صیاد شرمندہ تھے ایک بیٹی ان کے نہیں ہم

ڈاؤس سوئمبر ڈاؤس سوئمبر کے باپ کا نام جابج اے۔ وائس  
ڈاؤس سوئمبر تہا ڈاؤس سوئمبر کو بیگم شمر (وفات ۱۸۳۶ء)  
نے گود لیا تھا۔ بیگم کے مرنے کے بعد ڈاؤس سوئمبر تمام اسٹیٹ کے مالک قرار  
پائے لیکن بعد میں ان کو حقوق ملکی سے محروم کر دیا گیا جس کے لئے وہ آخر  
دم تک لڑتے رہے۔ انکی تعلیم دہلی کالج میں ہوئی تھی۔ فارسی بہت اچھی  
تھی اسلامی ادب سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ اردو بہت صاف اور  
فصیح بولتے تھے۔ شعر بلا تکلف کہا کرتے تھے۔ نمونہ کے لئے کسی تذکرہ

میں انکا ایک شعر ہی نہیں ملا۔ صرف حالات پر اکتفا کرنا پڑا بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ڈاٹس سوئٹز جرب انگلستان گئے تو جو کچھ اپنا اردو کلام تھا ساتھ لیتے گئے اور پھر انگلستان سے واپس نہیں آئے۔

**ڈی کا سٹا** - ڈی کا سٹا انگریز شعراء اردو میں بہت اچھے شاعر تھے کلکتہ میں رہتے تھے۔ اردو فارسی میں شعر کہتے تھے۔ ان کی غزلیں اس وقت کے اخبارات میں شائع ہوتی تھیں۔ ڈی کا سٹا کا تعلق ڈیوٹن کلج کلکتہ سے تھا۔ ۱۸۸۶ء میں جب ڈاکٹر ڈبلیو جیمز نے انگلو انڈین ایسوسی ایشن قائم کرنے کی کوشش کی تو ڈی کا سٹا نے اس خصوص میں قابل لحاظ حصہ لیا۔ معلوم نہیں ہوا کہ ڈی کا سٹا شاعری میں کس کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کل ہم تمہارے کوچہ میں آئے چلے گئے  
کچھ رنج و غم کا حال نہ پوچھو کیا ہوا  
کل اس پری کے بزم میں سب مل کے بولا  
تیرے غزل ڈی کا سٹا گائے چلے گئے

ہو رسائی مجھے گرتا بکنا ر دہن  
ہے نزاکت یہ میر کی کمر وں کیا تشریح  
صفحہ دل پہ کروں ثبت بہاد من  
اس نگار میں کا گر دیکھے نگار دہن  
ہو دو ناگر پڑے اس کہیں بار دہن  
کیون ڈی کا سٹا ہوں مانی و بہر دہن

۲۶  
 حال شیشہ سے جو واقعہ کہہی خارا ہوتا  
 مانگتے تم سے دوا ہم نہ کہہی ای پیا  
 دل پر اگندہ غم جس سے ہوتا نہ بھی  
 سنگ دل نرم صنم تب یہ تمھارا ہوتا  
 مرض ہجر کا جزو وصل جو چارا ہوتا  
 بریں ڈی کاٹا کے گروہ دل آرا ہوتا

**شکر**  
 ڈانیاں سقر طیس تہنل گارڈ نہ نام شکر تخلص ہے۔  
 ان کے بزرگوار سرکار انگریزی میں معزز عہدوں پر  
 کار گزار تھے۔ نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھے۔ مرزا عباس حسین  
 ہوش لکھنوی کے شاگرد تھے۔ آپ کا کلام اس زمانہ کے گلدستوں میں شائع  
 ہوتا تھا۔ شکر نے ۵۵ سال کی عمر میں ۱۹۰۷ء میں وفات پائی۔ نمونہ کلام یہ ہے

زمین ہے اس جگہ نے آسمان ہے  
 زمین و آسمان کے درمیاں ہے  
 اٹھالوں کوہ صنم مثل پرکاش  
 ہو اگر دش سے ثابت بعد تحقیق  
 لحد میں کیوں ٹپکے اے جانے والو  
 یہ بجلی تیرے دانتوں کا ہے پر تو  
 تعالیٰ اللہ کہاں اپنا مکاں ہے  
 معلق مرغ دل کا آشیاں ہے  
 مگر سر دوش پر بارگراں ہے  
 زمیں کہتے ہیں جس کو آسمان ہے  
 عدم کی راہ میں منزل کہاں ہے  
 یہ بادل میری آہوں کا ہواں ہے

مرزا عباس حسین ہوش لکھنوی کے رہنے والے تھے آفتاب اللہ و ارشد علی خاں قلی لکھنوی کے شاگرد تھے

ہوا مدتوں میں اثر رفتہ رفتہ  
ہوئی ہے خوشی کی سحر رفتہ رفتہ  
چلی زلف پہتا کر رفتہ رفتہ  
نکلے ہیں نخت جگر رفتہ رفتہ

دعائیں ہوں کا رگر رفتہ رفتہ  
ترپتے ترپتے شب غم کٹی ہے  
بلا آنے جائے کہیں میرے سر پر  
نہیں سُرخ آنسو یہ رک رکے آتے

ہو کیا قرار ہستی ناپائیدار کا  
ہوں مقتد میں رحمت پرورگار کا  
اے صبر ہاتھ لوٹ گیا اختیار کا  
عالم نظر میں ہے لب خندان یا کا  
لیجائے نامہ کون ترے بے قرار کا  
گنبد بنا ہے قبر پہ دل کے غبار کا  
جیسے نہاں انار میں دانہ انار کا  
رتبہ بلند خلق میں ہے خاکسار کا  
نقشہ جو یاد آیا مجھے چشم یار کا

کیا اعتبار زندگی مستعار کا  
کیا خوف دل کو ہو میے وز شمار کا  
جینا ہوا محال ترے جاں نثار کا  
اے گل شگفتگی تری کیا آنکھ میں سائے  
مضمون تشیش سے کبوتر کے پر جلیں  
رتبہ ہے خاکسار کا مرنے پہ ہی بند  
تم ہی اسی طرح سے جگر میں جو جانشین  
پہنچا ہے بعد مرگ فلک پر میرا غبار  
چشم غزال نے مجھے وحشی بنایا شکر

ہائے کیا وقت تھا لڑکپن کا  
ہائے کیا وقت تھا لڑکپن کا  
ایک تعویذ تیرے جو شن کا  
جوڑا پالا ہے اس نے ناگن کا

بے خودی تھی نہ ہوش تھا تن کا  
سامنا کرتے تھے تہمتن کا  
دل سنبھل جائے ہاتھ آئے اگر  
نہیں زلفیں یہ دُسنے کو میرے



قبر سے شکر جی اٹھے مردے ۲۸ ستم جو لگ جائے اس کے تو سن کا

جلوہ عارض اگر زیر نقاب آیا تو کیا منہ لپیکر چاند امان سجا آیت تو کیا

گل نہ ہو جائے کہیں شمس و قمر کی بتی دیکھو سر کی میرے ناسو جگر کی بتی  
ہمد مود ہو کے لہو دل میرا بہ جائے گا ہٹ گئی گر میرے ناسو جگر کی بتی  
آتش عشق سے تن پہاگے ہوا خاک کا دبیر مشتعل ہے رگ جاں جیسے آگر کی بتی  
آشنائی کا کیا شکر ادا حق اس نے تابہ چہلم میرے بالیں سونہ سر کی بتی

شکر کسی قدر مذاق پسند آدمی تھے کسی لالہ کی بہنیں مر گئی تو آپ نے  
اس پر ایک مرثیہ لکھا جس کے دو بند یہ ہیں۔

بڑ ہے دل کی کیونکر نہ اب بقیاری جو مر جائے یوں بھینس لالہ تمہاری  
وہ عمر اپنی لائی تھی اتنی بچاری ستم کر گئی جو عدم کو سدھاری  
کہوں کیا جو مجھ کو ہوا رنج و غم ہے یہ سچ ہے کہ تم سے زیادہ الم ہے  
تعب ہے کس واسطے مر گئی وہ یہی سوچتا ہوں کہ کیا کر گئی وہ  
خفا ہو گئی دل میں یا ڈر گئی وہ جو اس طرح بھڑک کر مر گئی وہ  
میرے تن پہ دہشت سے آیا پسینہ  
سنا جبکہ ٹکڑے سے توڑا ہے زمین

راجہ دلسکھہ رائے بہادران کے علاقہ کے پٹواری تھے۔ شکر  
نے ان کے مرنے پر حسب ذیل تاریخ لکھی ہے۔

راجہ دلسکھہ رائے کے مرنیکے بعد ہر زباں پر لفظ یہ جاری ہوئے  
تھے بڑے منجوس جانے کیا ہوا حاکم اعراف یا ناروی ہوئے  
ان کے مرنے کی لکھوں تاریخ کیا اس تردد میں بہت عاری ہوئے  
ملہم ضیہی نے شب کو ناگہماں دی صدا۔ دوزخ کے پٹواری ہوئے

**شایق** - جان فانتوم نام شایق تخلص تھا۔ ان کے والد حاج  
فانتوم فرانسسی تھے۔ شایق فنون سپاہ گری میں  
طالق تھے۔ مختلف فوجی عہدوں پر مامور رہے۔ ان کے والد کا توسل دربار  
راپور سے تھا اس لئے ان کی نشوونما بھی وہیں ہوئی۔ اردو فارسی کی  
تعلیم بھی راپور ہی میں پائی۔ آخر عمر بھرت پور میں گزاری اور وہیں ۱۸۶۶ء  
میں فوت ہوئے۔ نمونہ کے لئے ایک شعر درج کیا جاتا ہے۔

جو رقیب منت درباں وطن غم  
کیا کیا جفا ئیں ہم نے سہیں تیرے واسطے

**شایق** - حاج فانتوم نام جانی صاحب عرف شایق تخلص  
تھا۔ ان کا خاندان ایک عرصہ سے دہلی میں سکو

۳۰  
 پذیر ہونے کی وجہ سے ان کی معاشرت ہندوستانی تھی اردو پر اچھا عبور  
 تھا۔ ۸۸۰ تک زندہ تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہم نے دل سو جگہ لگا دیکھا کوئی تجھ سانہ دلربا دیکھا  
 کان رکھ کر سنا نہ اس گلے حال دل بارہا سنا دیکھا

گر نہ پہنوما تم عاشق میں پوشاک سیاہ رنگیں نکھول سودا سنبھانا چاہیے

اسقدر رنجش نہ تجھ کو میرے جانی چاہیے ہر گھڑی ہر لحظہ مجھ پر مہربانی چاہیے  
 کہنے سے ابغیار کے گرم ہوئے مجھ پر خفا سخت بیجا ہے نہ ایسی بدگمانی چاہیے

شور  
 جاج بیش (یا برنس) نام شور تخلص تھا۔ ۱۸۲۳ء  
 میں بمقام علیگڑھ پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی  
 ان کے والد خاص یورپین تھے۔ شور میرٹھ میں بہ زمرہ پولس ملازم ہوئے  
 چند روز بعد ترک ملازمت کر کے اپنے نانا فراسو کو مہن کے پاس آگرہ  
 چلے آئے۔ فراسو ایک خوشحال اور متمول جاگیردار تھے۔ شور کو اپنے  
 پاس بہت اچھی طرح رکھا۔ ان کی شادی دھوم دھام سے کی۔  
 یہ نہیں معلوم ہوا کہ شور نے کب سے اردو شعر کہنا شروع کیا اور  
 کس کے شاگرد تھے تذکروں سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شور بہت پرگو

۳۱  
 شاعر تھے۔ روزانہ ایک دو غزلیں لکھا کرتے تھے۔ منشی کریم الدین طبقات  
 میں لکھتے ہیں کہ ۱۸۴۴ میں میرے مکان پر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔  
 ان مشاعروں میں پڑھنے کے لئے شور برابر اپنی غزلیں بھیجا کرتے تھے۔  
 شور کے پانچ دیوان اور دو مثنویاں اردو اور ایک دیوان فارسی  
 ہے جس کا نام گلشن فرنگ ہے۔ پہلا دیوان ممتاز المطالع میرٹھ میں چھپا  
 ہے۔ سن طبع ۱۸۷۸ء ہے۔ پانچواں دیوان ۱۸۹۰ء میں مطبع جگت  
 پرکاش میرٹھ میں طبع ہوا ہے ضخامت ۲۵۲ صفحات۔ اس دیوان کا نام  
 ستارہ شور ہے یہ دیوان آفتاب داغ و گلزار داغ کے جواب میں لکھا  
 گیا ہے۔ داغ کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں۔

شور کے کلام میں کوئی خاص بات نہیں البتہ مثنوی میں مثنوی کی  
 ساری خوبیاں موجود ہیں۔ مثنوی میں قدر کا حال بہت عمدگی سے لکھا  
 ہے۔ جن جن شہروں کی سیاحت کی ہے وہاں کے حالات قلمبند کئے ہیں  
 وہاں کی عمارتوں اور روساء و مشاہیر کا حال لکھا ہے۔ شور نے ۱۸۹۴  
 میں وفات پائی۔

---

دیور حرم میں تو نہ دے ترجیح ز اہدا سر حریف جھکایا وہی سجدہ گاہ تھا

---

۱۷  
 منشی کریم الدین پانی پت کے رہنے والے تھے ۱۸۵۲ء میں ان کی عمر ۵۹ سال کی تھی۔ بہت سی  
 کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کا تذکرہ شعرائے اردو بہت مشہور ہے۔

حاضر نہ اپنی جان سی ایسا تراغض  
بل بے نیہ بیخودی کہ خودی سے پہلا دیا  
دیکھے سے جس کی حالت میسے تباہ تھی  
ورنہ یہ زیت مرگ کی اپنی گواہ تہا

غیر کے ساتھ عبادت کو وہ لبر آیا  
ہچکیاں اُنہیں کیا یا کسی نے مجھ کو  
لوسی ملک الموت کو لے کر آیا  
غیر سے ذکر میرا آج مقرر آیا

جلوہ یہ طور کا مجھے کس نے دکھایا  
دل میں لم ہو جان میں حسرتوں میں  
بیخود جو دم میں صورت موسیٰ بنا دیا  
سب کچھ ہے تیرے عشق میں اللہ کا دیا

شرم و حجب ہی میں شرب وصل کٹ گئی  
ان کی زباں پہ تا سحرانکار ہی رہا

مثنوی کا نمونہ — سبب تالیف میں لکھتے ہیں۔

کہا دوستوں نے کہ اے شوریار  
تخلص ہے شور اور ہے شیریں کلام  
فرنگی مجھے کہتا ہے اک جہاں  
کہاں سے تو لایا یہ شیریں کلام  
پر اک بات کی اب کمی ہے ذرا  
وہ یہ ہے کہ اک مثنوی بھی ضرور  
کہ ہو عمر بہر کا ترے اس میں حال  
ہیں مشہور دیواں ترے تین چار  
ہے شیریں کلامی بھی مشہور عام  
پراس قوم کیا یہ زباں ہے کہاں  
اور اس میں کہاں شور پہرا پنا نام  
کہ ہو جس سے وہ چند چرچہ ترا  
رقم کر کہ ہو جس سے سب کو ہر  
عیال جس سے ہوں تیرے سا رخیا

۱۸۵۷ء کے غدر دہلی کا حال۔ ۳۳

ہوا حال دہلی نہایت تباہ  
نئی آفت اک قلعہ پر آگئی  
کیا کرتے تھے روز حیراں انہیں  
کہا شہ سے فتویٰ یہ تم دو ہمیں  
لگا مورچہ جب کہ دہلی کے پاس  
گھسے گورے کشمیری دروازہ سے  
بہا پر تو وہ خون کا لولہ والا  
مشاہیر دہلی کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔

لکھوں شہر کے اب عمائد کا حال  
تھے ایک مولوی باں کے صد الصد  
خدا نے انہیں رتبے اعلیٰ دے  
تخلص تھا آزرہ شعرا انتخاب  
نہ زندہ رہے ہائے صہبائی بھی  
گئے ان کے ہمراہ لخت جگر  
امیر ایسے نادر تھے یاں پنجہ کش  
ہوئے ایسے دہلی میں یہ خوشنویس  
کرامت میں یکتا تھے اور باتمیز  
ہر ایک علم کے خوب عامل ہی تھے

لڑائی رہی رات دن پہنچ ماہ  
خبر کالوں نے بادشاہ کی بھی لی  
پہر آخر کیا گھر سے ویراں انہیں  
فرنگی کا ہم قتل جائز کہیں  
اڑے سب تلنگوں کے ہوش و اس  
کیا حملہ سب نے ایک اندازہ سے  
کہ بازار سب ہو گیا خون فشاں

کہ کیا کیا یہاں لوگ تھے بمثال  
کہ ثانی نہ تھا ان کا نزدیک دور  
کہ مفتی عدالت میں ہی وہ ہوئے  
وہ دہلی میں شاعر ہی تھے لا جواب  
گئی غدر میں جاں یوں مفت ہی  
مرے ساتھ سنتے ہیں دونوں سر  
کہ صد ہا جنہیں دیکھتے تھے غش  
ہراک پر تھے اس فن میں ہر طرح میں  
وہ مشہور تھے شاہ عبدالعزیز  
ہراک فن میں وہ ہائے کامل بھی تھے

تھے اک اوریاں شہر میں شاہ سپند  
کہ بدرالدین مشہور تھا ان کا نام  
تھے اک کالے صبا ہی یاں بے طیب  
تھے شعرا ہی دہلی میں وہ بے مثال  
ہوئے نامور ایسے تھے ایک میر  
وہ اردو کے مشتاق اور پیشوا  
ہوئے میترن اور دہلی میں ایک  
کہی مشنوی خوب وہ انتخاب  
اور اک نامی کامی تھے شاہ نصیر  
فراسو بھی شاگرد ان کے ہوئے  
تھے شاگرد اور اک جناب مشیر  
اور انکے تھے شاگرد کرسی نشین  
ولی عہد کا شہر ہر جا ہوا  
منا جاتیں دارا کی ہیں بے نظیر  
اور اک تھے یہاں خواجہ میر درد  
بہر اور دے ہے سدا کلام  
ظفر بھی وہ شاعر ہوئے بے مثال  
ہوئے اور دہلی میں اک میر سوز  
وہ سوز نہاں ان کا تھا لایا

بڑے نامی اور عمدہ تھے مہر کند  
شنا خواں تھے سب شہر میں عام  
ارسطو زماں اور عجیب و غریب  
کہ تھا شعرو کوئی میں ان کو کمال  
کہ دیوان ان کے ہیں چہ بے نظیر  
زبان ایسی پائی یہ کس نے بھلا  
کہ سو میں تھے وہ ایک ہی مرد نیک  
نہیں ہند میں پایا اس کا جواب  
کہ جوں مہر و ماہ تھے وہ روشن ضمیر  
تھے قوم فرنگی میں شاعر بڑے  
انہیں مانتے تھے صغیر و کبیر  
ولی عہد بھی ایک تھے خوش جبین  
تخلص انہوں نے جو دارا کی  
کہ پڑتے ہیں ہر جا امیر و فقیر  
کہ دل ان کے قولوں سے تھا تہاڑ  
دو اور دمنندوں کی ہے وہ تلم  
کسی بادشاہ کو نہ تھا یہ کمال  
جلے اور بھنے رہتے تھے شب رو  
زباں سے نکلتا تھا ہر دم دہوا

۳۵ وہ غالب زمانہ میں بکتا ہوئے  
 ہوئی فارسی ان کی وہ بے مثال  
 یہ تو من بھی شاعر وہ انسان تھے  
 یہ رمال بھی ایسے تھے انتخاب  
 اور حکمت میں وہ تھی انہیں دستگاہ  
 تھے شاعر ہی شطرنج کے اس قدر  
 ہوئے ذوق ایسے کہ تھا ان کو فوق  
 غرض موت کا سب نے چکھا مزا

۳۵ کہ غالب ہر اک پر ہمیشہ رہے  
 کہ فارس نے جانا انہیں کمال  
 جنہیں مانتے سب مسلمان تھے  
 حساب رمل جن کا تھا لاجواب  
 اسطو سمجھتا تھا پشت و پناہ  
 دل و جاں گئے ہاں ان سے بشر  
 کلاموں سے انکے رہا سب ک شوق  
 خدا کو بفتا اور آدم فنا

**شوق** پٹرک گارڈنر نام شوق تخلص ہے۔ ۲۷ فروری ۱۸۹۵ء کو کاسلنگ ضلع ایٹھ میں پیدا ہوئے مختلف خدمات انجام دینے کے بعد پادری کی خدمت اختیار کی۔ بزرگوں کی فیض صحبت سے اردو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ شعر کہنا شروع کیا اپنے چچا اسنو ۱۰ برس مشورہ سخن کرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ایک ہے غیر ترے وصل سے جو شارب  
 زندگی قید میں گزری ہے لگ بھگ  
 ذبح کے وقت وہ لذت ہی کہہ لیتا ہے  
 کر کے خوں خشک یا شاعر کیسے ہر بند

ایک ہم ہیج ترے ہجر میں ناشائے  
 نہ پس گ نہ ہم زیست میں آزاد ہے  
 سراسی طرح تیرا نوئے جلاو ہے  
 تاکہ اے شوق مرے بعد یہ اول ہے



دنیا میں اے خدا کوئی تجہ سا غنی نہیں  
دیتا ہوں ساری خلق کو ہر روز تو خوش  
داتا ہے سب کا دہن کی تجھے کچھ کمی نہیں  
لیکن ترے خزانے میں کمی نہیں  
محرور ہو کے جائے یہ ممکن کبھی نہیں  
گر ہوئے معتقد کوئی آئے ترے حضور

اختیار بخش عصیاں ہر ترے ہاتھ  
عشق عیسیٰ ہو گیا جب یہ حالت میری  
جس کو چاہے بخش دے تو مالک و مختار  
مست ہو نہیں بادہ عرفان دل شمسار

کیا ہے نام ہم نے عاشق زلف دوتا،  
گہٹا جاتا ہوں دم تر تا ہو حالت جا بھٹی گئی  
ہوئے مشہور دنیا میں گرفتار بلا ہو  
خیال لے پیاں دل میں آیا ہے قضا ہو  
چھڑایا تو نے پچھار دوسو غم سے مصیبت سے  
شہید ناز کا کب خون چھپتا ہو چھپاؤ  
ترے ہاتھوں میں ظاہر ہوا رنگ خاک ہو  
قضا ممنون ہوں تیرا کہ تو آئی دو ہو

بہت ہوں ناتواں کہتا ہوں لیکن جو دل کا  
اسی حالت ہو گا سامنا مقتل میں قاتل کا

**شہزادہ مسیحی**  
شہزادہ مسیحی (کرسچین پرنس) نام شہزادہ تخلص تھا  
ان کے والد فرانسیسی تھے جو عہد اکبر شاہ میں  
ہندوستان آئے تھے۔ شہزادہ مسیحی رومن کیتھولک تھے۔ ۱۸۱۸ء میں کونسل  
بہوپال راجنسی کے ممبر تھے۔ اردو زبان میں اچھی مہارت تھی شاعری کا  
ذوق اچھا تھا اور بہت پاکیزہ طبیعت پائی تھی۔ ان کے کلام کا کوئی نمونہ

**حب صا۔** - اوسیس رین ہارڈٹ نام صاحب تخلص تھا خطا مشہور تھے۔ سروہنے کی مشہور بیگم شمع و ملقب بہ زینت النساء کے فرزند تھے۔ مسلمانوں کا لباس پہنتے تھے اور انہیں کی طرز معاشرت اختیار کی تھی شاعری کی بہت شہرت تھی۔ دہلی میں ان کے مکان پر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ شہر کے مشہور اور ممتاز شعرا ان مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے اعظم الدولہ نواب میر محمد خاں تخلص سروژ (شاگرد محمد جان بیگ سامی) بھی ان مشاعروں میں برابر شریک ہوتے تھے۔

صاحب خیراتی خاں دکنسوز کے شاگرد تھے۔ علم موسیقی و مصوری میں بھی اچھا دخل رکھتے تھے۔ عالم شباب میں ۱۸۲۷ء میں وفات پائی۔ نمونہ

۱۔ بیگم شمع و زینت النساء ایک عرب کی بیٹی تھی اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اور جزل سکھ سے شادی کر لی تھی۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد وہ سروہنے کی حکمران بنی۔ اکثر یورپین شعراء اردو کا دربار بیگم شمع سے تعلق تھا خود بیگم ایک باکمال عورت تھی حکمرانی کی اہلیت کے علاوہ شعرو سخن کی بھی اچھی قابلیت رکھتی تھی۔ فارسی اردو لکھنے پڑھنے میں پوری شاق تھی۔ اس کے فارسی مکتوبات ملتے ہیں۔ اس کا آخری وصیت نامہ بھی فارسی میں ہے۔

۲۔ نواب سروہنے عمدۃ المتخبہ کے نام سے شعراء اردو کا تذکرہ لکھا ہے۔ صاحب دیوان ہیں جو

کلام یہ ہے۔

نظر آیا مجھے شب بام بہ پیارا پنا بارے اب کچھ ہے بلند تھی ستارا اپنا

ہے زلف حلقہ زن خط و کبر اس پنا یا اثر دہا ہے فوج سکندر اس پاس

حب صاحب  
مسٹر جو ہاش نام صاحب تخلص تھا شعر بہت اچھا  
کہتے تھے میر وزیر علی صبا کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام

یہ ہے۔

دیکھنا توڑ کے وحشت میں نکل جاؤں گا مجھ کو پہناتے ہوز بخیر یہ زنجیر عبث

حب صاحب  
جارج فانٹوم نام صاحب تخلص تھا۔ ان کے والد بڑا ڈ  
فانٹوم حیدر آباد دکن کی فرانسیسی فوج کے کپتان

۱۲۵۰ء انتقال کیا تھے خیراتی خاں دسوز قوم افغان دہلی میں رہتے تھے۔ جے پور میں وفات پائی  
ملہ میر وزیر علی صبا لکھنؤ میں پیدا ہوئے انکے والد کا نام میر بندہ علی ہے خواجہ آتش کے نامی شاگردوں  
میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کا دیوان غنچہ آرزو کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۲۶۱ء میں گھوڑ  
سے گر کر انتقال کیا۔

۳۹  
تھے۔ مورس بورمیو وکن کی فرانسیسی فوج کے افسر اعلیٰ ان کے رشتہ دار تھے۔  
۱۸۱۶ء میں پنشن لیکر اپنی بقیہ زندگی عللاجِ معالجہ میں بسر کی۔ ان کے  
والد نے ۱۸۲۵ء میں وفات پائی۔

صاحب کا سن پیدائش معلوم نہیں ہوا لیکن اتنا معلوم ہوا ہے کہ  
وہ ۱۲۹۰ھ میں زندہ تھے۔ ان کا تعلق ریاست رامپور سے تھا۔ حافظ  
شیرانی طالب مولوی محمد نورا اسلام اور مولوی محمد حفظ اللہ سے فارسی و  
عربی کتابیں پڑھی تھیں شعرو سخن میں میر انجف علی شفقت علی سے مشورہ لیتے تھے  
اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ صاحب کے علاوہ کبھی کبھی  
جر جس بھی تخلص کرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

---

یہ آرزو ہوتے آئے کی مجھے اوشون کہ جھوٹے وعدوں پہ بھی انتظار باقی ہے

---

صبر - برتہا لمیوگا رڈنر نام صبر تخلص تھا۔ بہت پرگو شاعر تھے  
امیر میتائی سے تلمذ حاصل تھا۔ مذہبی خدمت کو سلسلہ  
میں ہندستان کے کئی مقامات کا دورہ کیا۔ یورپین شاعر استبق آپ کے  
بہائی تھے۔ ۲۰ جولائی ۱۹۳۳ء کو اپنے بہائی کے پاس بلند شہر میں وفات

---

۱۔ سید نجف علی شفقت ولد یار محمد شاہ دگاہی صبا کے خلیفہ تھے۔ شاہ نصیر کے شاگرد رامپور  
میں سکونت تھا۔ ۱۲۷۱ھ میں بعمر ۶۶ سال انتقال کیا۔

۴۰  
پانی صاحب دیوان تھے نمونہ کلام یہ ہے۔

زہے قسمت کلام پاک میں ہی مبشر ہو      سلطان جہاں کچھ نہیں تہ ہے کم میرا

خلوت میں مزاملتا ہے اے صبر زالا      آتا ہے عجب لطف مجھ یادِ خدا میں

پہنوایاں کی عجا صبریہ وہ جامہ ہے      نہ پہننے تن پہ نہ اترے کبھی میلہ کو

ولولے تھے وہ سب جوانی کے      اب وہ سودا ہمارے سر میں نہیں

قدیم ذات خدا ہے جہاں حادث ہے      بوقت لوگ سمجھ میں یہ اے جناب آئے

نہ دعا آتی ہے ہم کو نہ دوا آتی ہے      بندہ حق ہمیں تسلیم و رضا آتی ہے

کبھی شباب کبھی بچپنا کبھی پیری      مسافرت ہی میں اپنا بسر زمانہ ہوا  
مزا ہے سوئیں گے آرامِ سقیا مت تک      زہے نصیب پس مرگ تو ٹھکانہ ہوا  
نہ جانے کون ازل سے منتظر کس کا      قضا کے آتے ہی جو شوق سوڑا نہ ہوا

وہ رند ہوں کہ مجھے دیکھ کر پے تعظیم      اتر کے طاق سے خود شیشہ شراب آیا

۴۱ میں ان کے انتظار میں تار و گنا کیا چنتے رہے وہ ماتھے پر افشان تمام رات

چشم ز گس ہے دہن غنچہ ہے قد ہے بٹا وہ میرے سامنے پھرتے ہیں گلستاں ہو

قصو میں نے کیا خط نہیں لکھا میں نے خدا کی شان بلا آگنی کبوتر پر  
تماشا دیکھ رہی ہے قصا نزاکت کا وفور ناز سے ہیں دونوں ہاتھ خنجر پر

چل رہی ہے کیا بہار افزا ہوا برشتیا کیونکہ داغ جگر اپنا ہر ابرسات میں

خدا سے تنفر بتوں کی پرستش یہ اندھیر دنیا میں کیا ہو رہا ہے  
زباں سے زباں وصل میں کب ملی زباںوں میں باہم گلا ہو رہا ہے

جان تہا مس نام طوماس نخلص تھا۔ عام طور پر خا  
طوماس کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے والد کا نام جاج تھا

اور عرف جہازی صاحب تھا۔ طوماس پہلے ہانسی میں رہتے تھے۔ ۱۸۰۲  
میں دہلی چلے آئے اور آخر دم تک یہیں رہے۔ اردو شعرا چھا کہتے تھے کافی  
مشق بہم پہنچائی تھی۔ شاہ نصیر سے تلمذ تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

سودا ہے زلفِ یوسف ثانی کا قد روتے ہیں ہم کھڑے سر بازار زار زار

**عاشق** - جوزف نام دو لارے صاحب عرف عاشق تخلص تھا۔ ان کے والد کا نام مالوک ہے قوم فرانسیسی سے تھے۔ بھوپال میں ان کے والد کپتان تھے۔ عاشق بھوپال ہی میں ۱۲۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ وفات کا سن معلوم نہ ہو سکا۔ اس قدر معلوم ہوا ہے کہ وہ ۱۳۰۴ء میں زندہ تھے۔ بھوپال میں ان کی شاعری کے چرچے تھے۔ بیگم صاحبہ بھوپال کی جانب سے جو مشاعرے ہوئے تھے۔ عاشق ان عرو میں شریک ہوتے تھے۔ عالمگیر محمد خاں تنوہ۔ عنایت محمد خاں راسخ۔ عاقل محمد خاں عاقل۔ محمد عزیز اللہ خاں عزیز شیخ منیر الدین تمیز۔ شیخ نور الحسن اخلاص۔ محمد شاہ میر خاں عیش اور سید ممتاز علی حافظ سنے رات صحبت تھی جس کی وجہ عاشق کو شعر و سخن کا اچھا ذوق ہوا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

محو نظارہ ہوا کس کی نظر کے تیر کا  
آج میخانہ یہ واعظ بن کی پتہ میں تیر کا  
مصحف رخ کے تصور میں دل سی پارہ  
صنور فریاد عاشق پہوڑے پتھر سے سر

طاہر دل پر گماں ہے طاہر تصویر کا  
شیخ جی قائل ہوں میں اس کی تدبیر کا  
میں ہی حافظ ہوں سی قرآن کی تفسیر کا  
سنگ سی بھی سخت ہوں اس سے تیر کا پیر کا

اشک ہر ایک قطرہ ہو سمندر کا جوا  
لوک مرگاں نے ہی ہیں تیر و نشتر کا جوا

ابر نیساں کب ہی میر دیدہ ترکا جوا  
دونوں بروہن تے شمشیر خنجر کا جوا

۴۳  
 کیوں کشیدہ ہوتی تیغ نظر آپ  
 مہنتے مہنتے چلے آؤ میرے گہر آپ  
 اب تو کٹے ہو جاتا ہوں گہر آپ  
 میرے گمبھیر نے دکھایا یہ شہر آپ

شاید ہمارے جذبہ دل کا ہے یہ اثر  
 آئے ہیں اہ بہول کی جفا کہ ہر آپ

زہی خموشی قیامت کی ہم کو ساری  
 یہ تیرے عشق کی کی ہم نے راز دار کی

اس کی فرقت میں یہ گہیراتی ہے روح  
 جان جاتی ہے ترے جانے سے یار  
 وصل کا انداز بتلاتی ہے روح  
 جب تو آجاتا ہے آجاتی ہے روح

اب تو خوش ہو گا دلا جاکے دل آزار کو پا  
 روز کہتا ہے کہ لے چل مجھ کو لدا کر پا

وہ کون شو ہے جس میں کہ تو جلوہ گر نہیں  
 عاشق جہاں آنکھوں میں اندھیر ہو گیا  
 کس دل میں تیرے عشق کا ایسا اثر نہیں  
 جس دن سے میرے پاس رشک نہیں

عشق کے آزار نے مارا مجھے  
 نزع میں جب اس نے پکارا مجھے  
 ہو گیا جینے کا سہارا مجھے  
 گر کہیں مل جائے وہ پیارا مجھے  
 نام تو بہت ملاؤ تمہارا مجھے  
 پوچھتے ہیں لیکن وہ عاشق کا دل



۴۴۲  
 عابد - یس۔ ڈبلیو ٹیلر نام تخلص عابد تھا۔ کوئی حال معلوم  
 نہوسکا نمونہ کلام کے لئے چند رباعیاں درج ہیں۔

قائم نہیں کچھ بھی یہ تماشا کیا ہے      یہ مادہ کیا ہے یہ ہیو لاکیا ہے  
 اب تک نہ کہلا عابد راز کم و کیف      حیران ہوں ماہیت اشیا کیا ہے

عالم بھی ہو تو ہو پر اللہ نہ ہو      مت بر سر ضد ہو دیکھ گمراہ نہ ہو  
 کیا ایسے کے فلسفہ کا قائل ہو کوئی      خود اپنی حقیقت سے جو آگاہ نہ ہو

عصیاں کو طاعت سے معنی سمجھا      اور زہد ریائی کو تو تقویٰ سمجھا  
 اپنے کو سمجھتا ہے تو اچھا عابد      اے خانہ خراب! تو نے اچھا سمجھا

لاکھوں ہی گنہ سہی طاعت نہ سہی      میں تیرہ دروں لایق رحمت نہ سہی  
 راضی برضا منتظر بخشش ہوں      دوزخ ہی ملے الہی جنت ہی سہی

آزاد ہوں مجھ کو حاجت پند نہیں      سوداے تجھے تیری زباں بند نہیں  
 مت کہہ مجھے زندانہ روش کر نیکو ترک      عابد میں تیری شرع کا پابند نہیں

عابد نے گریہ یعقوب کے نام سے اپنے بیٹے کی وفات پر ایک نظم

لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

آہ کیا یہ تیر پیری ہی میں لگنا تھا مجھے  
 مایہ آرام جاں و جہہ شکیب دل بنا  
 کیا ہوا کیوں ہو خفا کیا ہو گئی ہم کو  
 چاند سا کھڑا دکھاؤ اس قدر ٹھٹھے ہو کر  
 کیا اسی دن کیلئے پالا تھا اکو ناز سے  
 کون سی شے باپے یوسف رکھی تم کو عزیز  
 کیا ہوا کیوں ہو خفا کیا ہو گئی ہم کو  
 کس کو چھاتی سو گائیں کس سے جان مان کریں  
 تم رہی جو یونہی چپ ہو جائے گا ہم کو جنوں  
 جس تم گرنے بہا یا خون اس معصوم کا  
 تم تو ای جان پد تھے جان سو ہم کو عزیز  
 سوؤں میں آرام سو اور تو رہی زریزہ  
 دل پہٹا جاتا ہو صید سے الہی کیا کریں  
 اے میر دل بند یہ مجھ سے کبھی ممکن نہیں  
 یا مجھے پہنچا دے اس تک لاک نا پویر

نام آنزک عبری تخلص تھا۔ کلکتہ میں رہتے تھے اردو  
 شاعری سے بہت دلچسپی تھی اور شعر بھی کہتے تھے نمونہ

یہ ہے۔

اشک مے شیشہ جگر چم جو میخا د بنے دیکھے اب ہمہ تن غیرت میخا ہوا

کوئیس کوٹنیں نام فراسو تخلص تھا۔ ان کے والد گسٹن  
 فراسو۔ جو فرانسیسی تھے بیکم شرو کے ہاں ملازم تھے۔ فراسو

۴۶  
 بیگم شہر کے درباری شعراء میں ممتاز تھے۔ ان کی شاعری کی بہت شہرت  
 تھی۔ خیراتی خاں دلسوز سے تلمذ تھا۔ صاحب دیوان اور دیگر کئی تصانیف  
 کے مصنف ہیں۔ ان کے دیوان کا انتخاب مولانا حسرت موہانی نے بھی شائع  
 کیا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہے خواب میں بکھا تو بظاہر بہی ملیں گے      قسمت سونہ گر خواب کی تعبیر الٹ جائے

پہنپتا ہوں کیا ہی تجھ کو اے یار مسکرانا      ملک واسطے خدا کے یکبار مسکرانا  
 خنچوں کو اے شکر تیرے ہن کا آگے      ہنسنا تو یکطرف ہے دشوار مسکرانا

ہاتھوں نے نہ ایک تار گریباں میں چھوٹا      پاؤں نے نہ اک خار بیا باں میں چھوٹا

دم خفا مجھ سے ہوا اور میں خفا دم سے ہوا      رفتہ یہ مرا حال ترے غم سے ہوا

مجھ کو کہتے ہیں بڑا ڈھب ہے تجھ یاری کا      سوچنا طور ذرا آپ کی عیاری کا

یوں لیا وارہ اپنا اے فرا سو گم ہوا      مرغ وحشی جیسے ہوئے آشیانے سے جدا

جو آپ کی دوری میں دل پر میر غم گزرا      فرما دے کہ گم گزرا مجھوں پہ بھی گم گزرا

تہارات فراسو کا مہمان دہ شیریں <sup>۴۴</sup> کیا کہیے مزا اس سی جو کچھ کہہ ہم گزرا

نہ تخت روم کی خواہش ملک شام لیتو یا   
 تمہارے نام کو ہم صبح سی تا شام لیتو یا

رکھ اس کے تصور میں سدا دید تر بند   
 لازم ہے کہ کاشانہ خلوت کا ہو در بند

اپنے تو بخت سکندر پر فراسو مت اکر   
 دیکھہ دلت مر گیا آخر کو دارا پہنچ کر

اے دل مضطرب تو زیر خانہ کو کو نہ چھوڑ   
 چین لے اتو عدل کم سنو ہوا لوں کو نہ چھوڑ   
 اے فراسو سن بقول شخص کیا ہی فائدہ   
 دم غیش میں خفا چاہئے لو کو نہ چھوڑ

قاصد کیہ ہو اس بت مغرور سی الگ   
 کب تک ہو گئے عاشق رنجور سی الگ

یار سے دور گئے ہیں ہم   
 جلتے دل کو فراسو کے سیر   
 سخت رنجور ہو گئے ہیں ہم   
 موسیٰ طور ہو گئے ہیں ہم

ابکے جو ملے مجھ سے تو یار ہے اور میں ہو   
 اس وعدہ خلافی کی تکرار ہے اور میں ہو   
 وہ دل مارا مانگے ہی میں وصل کا طالع ہو   
 انکار ہے اور وہ ہی اقرار ہے اور میں ہو   
 وہ دن گئے جیتے اویدار تھا اور میں خا   
 اب برو آنکھوں کو دیوار ہے اور میں ہو

کہوں میں ل کے تڑپنے کی کیا حقیقت آہ<sup>۴۸</sup> خدا کسی کو دکھائے نہ اضطراب کے دن

ہم خاک ہوئے تو یہی درس نہ ملے تیرے      اُلفت اسے کہتو ہیں چا کے یہ معنی میں

آباد ایک روز نہ دیکھا کہہو اسے      کیا لیکے میں کہوں ل خانہ خراب کے

یوں ہم آغوش ہوں پری کے ساتھ      جس طرح جسم ہوئے جی کے ساتھ

ہوتا بسر ہے یوں اب و ز فراق پنا      کب درد دل نہ دیکھا کب دردِ سر نہ دیکھا  
فریاد میری سُن کر کچھ آہ کام آئی      نالے کا آہ پر کچھ ہم نے اثر نہ دیکھا  
دیکھا ہر ایک طرف کو محفل میں ایڑ فرسو      بیٹھے تھے ہم جد ہر کو اس اُدھر دیکھا

دل میں ملنے کی نہیں تو یہ بہانا سیکھا      اور سیکھا بھی تو بس بات بنانا سیکھا  
آئینہ کب تری صورت کو مقابل ہوگا      ہم سے پردہ میں چھپی خوب بہانا سیکھا  
اپنا ہی قصہ جانسوز فراسو تو لکھہ      یک لکلم لکھنے سکیوں ہاتھ بہانا سیکھا

کیوں توجائیں پہلا خاتمِ طرد لدا رسو      اسکا مطلب مجھ سے اور میرا مطلب یار  
بندش رشتہ ہے مجھ کو ایک بت عیار      کب مسلمانوں کو میرے عار ہے زنا سے  
زر گس بیار کے تلوے میں سہلاؤں کیوں      کرتے ہم حشمتی میں میرے دیدہ خونبار

یاس و غم کے ہوں مضامین حسین پڑھیں غزل ۴۹  
ہم تو ہوتے ہیں اسو خوش ترے اشعار سے

کون سے مذہب میں ہو عاشق کا ترسنا روا  
گرد کہا ناہی میں جلوہ تو آنا ہے روا  
غیر کے گھر میں کیا جانا جو جاناں نے روا  
چاہیئے بیمار تیرے لعل لب کو چوس لے  
کون بچتا ہے فرا سو ہاتھ سی اس وقت کچے  
یعنی ظالم کے نہیں ہو ہاتھ کا کہا نا روا  
دیر کی تم نے تو ہے عاشق کا جانا روا  
ہم نے بھی جانا ہے جانا جان کا جانا روا  
وقت مردن ہو مٹی کو پاں کا کہا نا روا  
عاقبت سچے عدم انسان کچ جانا ہو روا

دل اس کے دم میں آنا وہ یا کس کا ہے  
جو نکلے سینہ سے دم تو اسے نکلنے دو  
لگی ہے تار نفس میں یہ ناخن منفرا  
کرو نہ گریہ و نالاسد افراسو تم  
کسی کے دل پہ پہلا اختیار کس کا ہے  
اے یار وہ دل با اختیار کس کا ہے  
کہو یہ پردہ میں بجتا ستار کس کا ہے  
وہ بیوفا ہے صنم غمگین کس کا ہے

بنجن جاستن نام فلاطون تخلص تھا۔ عام طور پر  
فلاطون - ڈاکٹر بنی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔  
حیدرآباد دکن میں ملازم تھے۔ ڈاکٹری علاج میں بڑا نام پیدا کیا تھا انہی  
حیدرآباد میں ایک محلہ "بنگلہ بنی صاحب" کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے  
والد فوج میں کپتان تھے۔ فلاطون کو اردو فارسی میں اچھی دستگاہ تھی  
اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ فارسی میں امیر اللہ احمد امیر

۵۰  
مدرسہ کے شاگرد تھے۔ اُردو میں مرزا مہدی حسین خٹا سے ملتا تھا۔ اردو  
نثر میں بھی انکی دو تین کتابیں طب میں ہیں۔ ۱۸۸۶ میں ان کی عمر پچاس  
برس کی تھی نمونہ کلام یہ ہے۔

کیوں خرواں میں سر پٹک کو مر نہ جائے عندلیب  
ہے بقائے گل سے وابستہ بقائے عندلیب  
جوش گل سے کم نہیں کچھ بلبلوں کا بھی ہجوم  
ٹہنی ٹہنی پر نظر آتی ہے جائے عندلیب  
شاہد گل صاحب زر ہے چلے گا کچھ نہ زور  
اس کی آنکھوں میں ہے کیا مرگ و لوٹائے عندلیب  
کیا کرے گلشن سے اس کا آب و دانہ اُٹھ گیا  
دام میں خود پہنس گئی بیٹھے بیٹھائے عندلیب  
جان دیکر عشق گل میں سو گئی آرام سے  
درو بے درماں ہوا آخر دوائے عندلیب

فلک - فلکس گارڈنر المعروف فلی صاحب - فلک  
تخلص تھا۔ یہ نابینا تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔  
نیارے خیاک تلک چھانٹے گلیوں کی : اس قدر ہے طمع زر کہ جسے کہتے ہیں

۵۱  
مرزا سلیمان شکوہ گار ڈنرعت مناصحاب بڑے  
فنا - قادر الکلام شاعر تھے فنا تخلص کرتے تھے - ۱۹۰۲ء میں

بعمر ۷۰ سال انتقال کیا۔ ان کی معاشرت بالکل ہندستانی تھی امراء  
کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ خطاطی میں مہارت تھی۔ لکھنؤ، دہلی، اور  
آگرہ کے اکثر شعراء نے آپ کی مہمان نوازی اور فیاضی سے فائدہ اٹھایا۔ مرزا  
عنایت علی بیگ ماہ اکبر آبادی بھی آپ کے دامن دولت سے وابستہ  
رہے۔ لکھنؤ کے مشہور ریختی گو شاعر جان صاحب بھی آخری عمر میں جھانوی  
پہنچے اور وہیں ان کا انتقال بھی ہوا۔ ان کی قبر وہیں ہے۔ مناصحاب صوفی  
مشرپ تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

---

خواب سے وہ بے گنج پیر جو منہ پر لٹا، شمع خاموش ہوئی مرغ سحر بول اٹھا

---

ہوا حصول نہ کچھ عرض مدعا کر کے ہماری بات گئی اور التجا کر کے

---

پوچھا جب دل سے کہ کب وصل کا سماں ہوگا  
بولا جس روز کفن میں تن عریاں ہوگا  
آج تو شوق سے پی خون جگر اے غم یار  
ناشتہ کل کو کباب دل بریاں ہوگا

---



۵۲ اے فنا کیا کہوں کہ کیا ہے دل خاص ایک صورت خدا ہے دل  
منزل دل ظہور نام خدا ظرف انوار لا الہ ہے دل

دل کی بے صورتی جو صورت ہے معنی محض تو بجا ہے دل  
کیا ہے صورت وہی نمود وجود دو جہاں جو دکھا رہا ہے دل  
جز ہے اور کل و جز کا جامع کل مظہر کل ہے کبریا ہے دل  
نطق اس کا وہ جبریل ہیں آپ پیغمبر خدا ہے دل  
دل کی صورت میں تھا خدا جو فنا تو خدا میں فنا ہوا ہے دل

مدعی دیدہ بنام مدعی علیہ دل لے گیا رو بکاری ہے مقدم عقل دیوانی کر

جوزف بنسلی نام فنا تخلص تھا۔ فوج میں جنرل اور رہنما  
فنا۔ الور کے ملازم تھے شعر گوئی سے انہیں خاص شغف تھا  
اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے اور ستار بھی خوب بجاتے تھے۔ ۲۴  
سال کی عمر میں مرض دق سے ۱۸۷۱ء میں وفات پائی۔

بی۔ ڈی مانٹروز نام مضطر تخلص تھا۔ آئرلینڈ  
ان کا وطن ہے شاعری کا ذوق فطری تھا۔  
دہلی میں دس سال رہے۔ یہیں اردو سیکھی اور داغ کے شاگرد ہوئے۔  
مضطر۔

ہندستانیوں سے بہت میل جول تھا۔ مسٹر نوروز جی کے تھیر میں آرٹسٹ تھے۔ اشتہار نگاری کا کام ہی ان کے سپرد تھا۔ اشٹی روپیہ تنخواہ ملتی تھی۔ ۱۸۸۳ میں تھیر کے ساتھ مرزا پور آئے ان دنوں مرزا پور میں مولوی فرزند علی وکیل کے مکان میں مشاعرے ہوا کرتے تھے مضطر ہی ان میں شریک ہو کر داد سخنوری حاصل کرتے رہے۔ چند روز کے بعد تھیر کی ملازمت ترک کر کے الہ آباد چلے گئے اور وہاں مصوری کی ایک دکان کھول لی۔ یہاں ان کا کاروبار خوب چمکا۔ مشاعروں میں اپنا کلام سنانے کا بہت شوق تھا۔ لوگ کچھ تو ان کے اچھے کلام اور کچھ ان کے نرالے لہجے کی جہ سے ان کا کلام سننے سے زیادہ دلچسپی ظاہر کرتے تھے۔ داغ نے مولوی نعیم الحق آزاد شیخوپوری کو ۲۱ اپریل ۱۸۹۸ء کو ایک خط لکھا تھا جس میں ان سے مضطر کی کیفیت پوچھی تھی۔ اس خط کا عکس رسالہ موقع لکھنؤ میں چھپا ہے۔ نمونہ کے لئے غزل کے چند شعروں پر مبنی ہیں۔

صفائی دیکھنا قاتل کی مقل میں کہ کس فن سے  
لگا کر تیغ میرا خوں بچا یا اپنے دامن سے  
بچے تو کیا بچے کوئی نگاہ چشم پر فن سے  
کہ درپردہ چلاتی ہے ہزاروں تیر خلیں سے  
اٹھا جب ہاتھ قاتل کا وہیں سر کر دیا حاضر  
مرے ہم تو بلا سے لی مگر تعظیم دشمن سے

ستارے جن کو کہتے ہیں اٹھایا فلک ان کو  
گرے تھے پھول جو میرے چراغ داغ روشن ہو

استاد داغ کی وفات پر مضطر نے ایک مثنیہ لکھا ہے اور غن کے  
اعتبار سے بہت اچھا لکھا ہے "غیاث المضطر یعنی نوحہ داغ" اس کا نام ہے  
اس میں ۱۰۲ ابند ہیں اس کی تمہید نثر میں ہے جس کا کچھ حصہ بطور نمونہ درج ہے  
"حیف صد حیف کہ یہ دلسوز بی۔ بی مانٹر ورتخلص

بمضطر بحال وابتگزارش کرتا ہے کہ حضرت استاد مرحوم سے  
اور مجھ سے بحسن اتفاق اتحاد ربط و ضبط اس قدر بڑھا ہوا  
تھا لوگوں کو میرے تلمذ ہونے میں گفتگو تھی اس حادثہ ناگہانی  
سے دل کو وہ اضطراب ہوا کہ یہ غیاث المضطر جس کا جواب  
ہوا۔ ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ باتیں..... مقبول  
خاص و عام ہو تو زہے سعادت"

رحمت باری سے مضطر دور کیا ورنہ میں کیا اور میرا مفقود کیا  
نوحہ داغ کا انتخاب بطور نمونہ —

صبر و شکیب طاققت ضبط فغاں نہیں  
کہنا پڑا کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں

غخوار یا رمونس وہم دم یہاں نہیں  
کس کو سنائیں حال کوئی مہیاں نہیں

ایک داغ تھا سو وہ بھی تہ آسماں نہیں

ملک سخن میں داغ تو ہر دلعزیز تھا

مانے حریف اس کو نہ مانے تو اس سو کیا

جو کچھ کہیں گے اس کیلئے ہے وہ سب بجا

مضطر زبان حلق ہے نقارہ خدا

باقی اگرچہ ہند میں اس کا نشان نہیں

آغاز ہائے نالہ شور و فغاں سنو

بیٹھو جگہ کو تہام کے درد نہاں سنو

یہ شور الغیاث تہ آسماں سنو

دو تین نالے ہم سے بھی پیر جواں سنو

تلمیذ داغ دہلوی ہیں نوحہ خواں نہیں

دنیا سے ہائے روح فصیح البیال گئی

یہ کیا گئی فصاحت ہندوستان گئی

بزم جہاں سے رونق اہل زباں گئی

گو یا کہ جسم خلق سے روح رواں گئی

جسم سخن میں ہائے وہ اب لطف جاں نہیں

دلی میں مرثوں کا یہی غمگار تھا

اچھا تھا یا بُرا تھا مگر یادگار تھا

اے چرخ نابکار تجھے جس سے خار تھا

وہ تو غریب آپ ہی یاروں کا یار تھا

۵۶  
 پا مال تجھ کو کرنا تھا اے بدگمان نہیں  
 شاعری کی زبان سے —

داغ بزم اہل سخن میں متیم ہوں  
 میں اس کے پاس بیٹھ کے جانوں ندیم ہوں  
 غیروں کے پاس ہ کے میں کیونکر مقیم ہوں  
 میں آشنا کے داغ سخنور ندیم ہوں  
 کس طرح بیٹھ جاؤں وہاں وہ جہاں نہیں

تاریخ وفات  
 تاریخ مرگ داغ سخنور بہ نالہا  
 چشم پر آب ہو کے بصدیا توں کہا  
 پوچھا جو شاعری سنے ہیں ہم بر ملا  
 مضطر ہمیں غیب سے آتی ہے یوں ندا  
 لوباغ میں وہ بلبل ہندوستان نہیں

شہر یار دکن کی دعا پر نوحہ کا خاتمہ  
 میری دعاے خیر پہ اب ختم ہو  
 جب تک کہ دور چرخ بریں صبح شام  
 جب تک کہ آسمان وز میں کو قیام ہو  
 جب تک کہ آفتاب سرچرخ باہم  
 ہو بندگان عالی سے خالی جہاں نہیں

آگسٹن ڈی سلویرا نام مفتون تخلص تھا۔ پرتگیزی  
**مفتون** - تھے اگر وہ میں قیام تھا۔ اردو شعر اچھا کہتے تھے۔  
 مرزا عنایت علی بیگ ماہ سے تلمذ حاصل تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

۵۷  
 نکالوں کس طرح پہلو سے ٹکڑا اس کے پسیکاں کا  
 کہ مدت میں گزر دل میں ہوا ہو آج مہاں کا

عجب تیرے کشتہ کا دیوانہ پن ہے  
 نہ ثابت لحد ہے نہ تار کفن ہے

خراب مٹی ہے تڑپے ہے ہجر یار میں روح  
 نہ دل ہے قابو میں اپنا نہ اختیار میں روح  
 گہے دماغ میں ہے گاہ دل میں گہے سب پر  
 ہٹکتی پھرتی ہے گہرا کے جسم زار میں روح  
 تم آؤ بالیں پہ تو اس عذاب سے چھوٹے  
 لبوں تک آ نہیں سکتی ہے انتظار میں روح  
 بغیر حکم خدا نکلے کس طرح باہر  
 پڑی ہے شیشہ میں مفتوں نہیں حصار میں روح

ملکہ - اینی نام ملکہ تخلص تھا۔ ان کے والد مرطیلا کر کلکتہ میں

۱۵ - مرزا اعلیٰ علی بیگ ماہ لکھنؤ کے باشندے تھے لیکن اکبر آباد میں سکونت اختیار  
 کی تھی۔ آتش کے شاگرد اور صاحب دیوان ہیں۔

پولس سپرنٹنڈنٹ تھے ۱۸۷۰ء میں زندہ تھے۔ ملکہ کو موسیقی میں اچھا ذہل تھا۔ کبھی کبھی اردو شعر کہتی تھیں۔ عبدالغفور شاخ کی شاگرد تھیں۔ آخر عمر میں مشرف باسلام ہو گئی نمونہ کلام یہ ہے۔

ہو گئی نیند بھی ہمسا یہ کو تا صبح حرام  
میں نے نالہ جو کسی رات سر شام کیا  
آہ وزاری نہیں سنتے بخدا راتوں کو  
اس صنم کو ملکہ نے ہی مگر رام کیا

ہجر میں دل کو بنقرا رہی ہے      جوش فریاد آہ وزاری ہے  
آنکھیں پتھر کے ہو گئی ہیں سفید      کسی شب کی جو انتظاری ہے

واکر نام واکر تخلص قوم انگریز سے تھے کلکتہ میں قیام  
واکر تھا۔ اردو بہت صاف بولتے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

رخ شعلہ ہے تن نور ہے بلور کی ہڈی      کیوں شکستیرے نہ جلے عور کی ہڈی

۱۔ عبدالغفور شاخ کلکتہ میں رہتے تھے۔ سخن شعراء کے نام سے اردو شعراء کا  
اچھا تذکرہ لکھا ہے۔ ان کا کلیات چھپ گیا ہے۔

او طالب دنیا تھے عبرت نہیں آتی  
 گہائی دہن خاک لے فغفور کی ہڈی  
 گزراست ہو قسمت ہو کجی باعث دوست  
 مشہور ہے کج پاؤں میں تہو کی ہڈی  
 تاثیر دم سرد کی ظاہر ہوئی جب سے  
 تن ہو گیا بچ بن گئی کافور کی ہڈی

لحم جوزف برویٹ نام ولیم تخلص۔ قوم انگریز سے تھے۔ ۱۸۷۷ء  
 ویم کے غدر کے بعد لکھنؤ میں مقیم تھے۔ منشی دیا کرشن ریمان  
 سے تلمذ تھا۔ صاحب دیوان ہیں۔ قدیم اردو گلدستوں میں ان کی اکثر غزلیں  
 چھپی ہیں دیوان انوار الاخبار لکھنؤ میں ۱۸۷۸ء میں چھپ گیا ہے۔ نمونہ  
 کلام یہ ہے۔

اللہ اللہ میں کہاں اور کوچہ جاناں کہاں  
 جذبہ دل تیرے صدقہ تیرا ہوں لایا ہوا

دل بھی رخصت ہو اجدائی میں یار کوئی نہیں برے دن کا  
 اس کے احساں کا بار ہے سر پر کبھی جس نے اتارا ایک تن کا  
 ہم نے چشم جناب سے دیکھا بیچ ہے کارخانہ .... کا

۱۔ دیا کرشن ریمان منشی لکھنؤ کے عزیز کے فرزند ہیں قوم کا ایسے لکھنؤ میں بود و باش تھی منشی  
 موحی رام موحی کے شاگرد تھے۔ صاحب دیوان ہیں۔ ۱۸۸۵ء میں وفات پائی۔



۶۰ بخدا کچھ میں کہہ نہیں سکتا کہنے کو بندہ خدا ہیں آپ

اپنی نظروں کو کچھ نہیں کہتے میری دل کی بہسلا خطا کیا ہے

کیوں بتوں پر تو جان دیتا ہے تجھ کو ولیم بتا ہوا کیا ہے

سنوں میں ایک یہ افسانہ تیرا کیا وا عظ تجھ ایسے دیکھے سنو ہیں ہزار ہا وا عظ

اب تو دست جنوں کو فرصت ہو کہ گریباں میں ایک تار نہیں

لجروی اس کی ہے داخل بانکپن میں کیوں نہیں  
بوجوانی کی ہے اس چرخ کہن میں کیوں نہیں

سرو سے کچھ قد میں کم ہیں گل سے کم کچھ رنگ میں

کیا تامل ہے انہیں جاتے چمن میں کیوں نہیں  
بت بنے بیٹھے ہیں کچھ کہتے نہیں سنتے ہیں سب

یہ نہیں کہلتا زباں ان کے دہن میں کیوں نہیں  
ہو گیا ہے خشک کس کا روئے رنگیں دیکھ کے  
ایک لہو کی بوند لالے کے بدن میں کیوں نہیں

تشنگان وصل ہوں سیراب ولیم کس طرح  
حیف پانی یار کے چاہ ذقن میں کیوں نہیں

کلا دین بیکسیٹر - حمد لکھنوی کے شاگرد تھے - نمونہ کلام  
کے لئے ان کی ایک غزل دستیاب ہوئی  
ہے جس کے چند شعر یہ ہیں -

مانند ان گلوں کے کہاں ہیں چین کے پھول -  
پہنچے ہیں دور دور ریاض سخن کے پھول  
سننے کو نغمہ سنجی بلبل بہار ہیں  
بیٹھے ہیں شاخ پر ہم تن گوش بن کے پھول  
لو آج کر رہے ہیں وہ ہنس ہنس کے گفتگو  
عشاق لڑیں شوق سے ان کے دہن کے پھول  
کہب کہب گئے نظر میں حسینو کے گل سگال  
آنکھوں سے میں نے چن لئے سب انجن کے پھول  
پامال ہونے پر بھی سلامت ہے اپنا دل  
کیا ہلکے ہلکے پاؤں ہیں اس گلبدن کے پھول  
وہ گل یہ چاہتا ہے ہے اب بھی میری یاد  
ڈالے ہیں لیکے تھوڑے سے اندر کفن کے پھول

# ہماری مطبوعا

- زکزلے - قدوس صہبائی بی۔ اے (آنرز) افسانوں کا مجموعہ - مجلد رنگین  
 گرد پوش قیمت ————— دو روپیہ بارہ آنے۔
- سیلاب - قیمت ————— تین روپیے آٹھ آنے۔  
 احمد ندیم قاسمی (افسانوں کا مجموعہ) مجلد - رنگین گرد پوش
- انگریز ایل - منتخبہ احمد ندیم قاسمی (افسانوں کا مجموعہ) مجلد -  
 رنگین گرد پوش قیمت ————— تین روپیہ چار آنے۔
- زندگی کی ٹھوکریں - رئیس احمد جعفری (افسانوں کا مجموعہ) مجلد -  
 رنگین گرد پوش قیمت ————— تین روپیہ
- تقدیریں - قیمت ————— ایک روپیہ  
 از منظور بخاری بی۔ اے۔

از ماہر القاری (ناول) مجلد۔ رنگین گرد پوش۔  
کردار - قیمت \_\_\_\_\_ دو روپیہ آٹھ آنے۔

قدوس صہبائی - بی۔ اے (آنرز) کتبیت و طباعت  
پریم پکارن - اعلیٰ \_\_\_\_\_ قیمت چودہ آنے۔

قدوس صہبائی - بی۔ اے۔ (آنرز)  
مرد انقلاب - قیمت \_\_\_\_\_ بارہ آنے۔

قدوس صہبائی - بی۔ اے (آنرز)  
بخارا کا جہوئی - قیمت \_\_\_\_\_ نو آنے۔

قدوس صہبائی - بی۔ اے۔ (آنرز)  
ترکستانی خاتون انقلاب - قیمت \_\_\_\_\_ بارہ نو آنے۔

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری۔  
ادب و انقلاب - قیمت تین روپے آٹھ آنے۔

احمد ندیم قاسمی۔  
گرداب - قیمت \_\_\_\_\_ تین روپے بارہ آنے

ڈاکٹر شفیق الرحمان۔  
لہریں - قیمت \_\_\_\_\_ تین روپے بارہ آنے

سعادت حسن منٹو۔  
افسانے اور ڈرامے - قیمت \_\_\_\_\_ دو روپے بارہ آنے

زندگی کے نئے زاویے.....	رئیس احمد جعفری	قیمت تین روپے
مضامین عبدالماجد دریابادی.....	چار روپیہ چار آنے	
محمد علی.....	مولانا عبدالماجد دریابادی	دو روپیہ بارہ آنے
مردوں کی سیجائی -	مولانا عبدالماجد دریابادی	چار روپیہ چار آنے
یقین و عمل.....	عبد القدوس ہاشمی	دو روپیہ آٹھ آنے
مقالات محمد علی حصہ اول.....	ترتیب رئیس احمد جعفری	تین روپیہ بارہ آنے
مقالات محمد علی حصہ دوم.....	رئیس احمد جعفری	تین روپیہ بارہ آنے
رنگ محل.....	ساغر نظامی	تین روپیہ بارہ آنے
نعمات ماہر.....	ماہر القادری	تین روپے
محسوسات ماہر.....	ماہر القادری	تین روپے
ٹیکور اور انکی شاعری.....	مخدوم محی الدین	ایک روپیہ آٹھ آنے
کاروانِ عمل.....	فیض محمد بادشاہ حسین	تین روپے
اقبال کا تصور زمان و مکان.....	ڈاکٹر رضی الدین	بارہ آنے
سیاست جاپان.....	علی المم بلگرامی	دس آنے
اقبال کے خطوط جناح کے نام.....	پانچ آنے	
ابن خلدون کے سیاسی و معاشرتی نظریے.....	پروفیسر عبد	چھ آنے
جمہور چین.....	میر عابد علی خاں	ایک روپیہ بارہ آنے

ادارہ اشاعت اُردو

عابد پروڈیوسرز آباد (دکن)



# ہماری مطبوعا

۳-۰-۰۰۰	ضر میں - قیسی رام پوری	۳-۱۲-۰۰	گرداب - احمد ندیم قاسمی
۲-۱۲-۰۰	تعبیریں - امین شری پوری	۳-۸-۰۰	سیلاب " "
۲-۱۲-۰۰	زنگین سپنے - کوثر چاند پوری	۳-۴-۰۰	انگڑائیاں " "
۲-۴-۰۰	کردار - ماہر الفت پوری	۳-۱۲-۰۰	لہرس - شفیق الرحمان
۰-۱۲-۰۰	مرد انقلاب قدوس صہبائی	۲-۱۲-۰۰	افسانے اور ڈرامے - منتو
۰-۹-۰۰	بخارا کا جمہوری انقلاب	۳-۰-۰۰۰	زندگی کے نئے زاویے جعفری
۱-۹-۰۰	ترکستانی خاتون	۳-۴-۰۰	زندگی کی ٹھوکریں " "
۰-۱۲-۰۰	یورپ میں شعراء اُردو	۲-۱۲-۰۰	پزلزلی - قدوس صہبائی
۰-۹-۰۰	تیاروں پر زندگی کے مکانات	۲-۱۲-۰۰	کروٹیں " "
۳-۱۲-۰۰	مقالات محمد علی حصہ اول	۲-۱۲-۰۰	ولولے " "
۳-۱۲-۰۰	مقالات محمد علی حصہ دوم	۰-۱۲-۰۰	پریم سجاران " "
۳-۸-۰۰	ادب اور انقلاب اختر علی پوری	۱-۰-۰۰۰	تقدیر کشین منظور بخاری
۳-۱۲-۰۰	رنگ محل - ساغر نظامی	۲-۸-۰۰	یقین و عمل - عبد القدوس کشی
۳-۰-۰۰۰	کاروان علم -	۱-۱۲-۰۰	قصص مسائل - عبد الماجد دریابادی

مکمل فہرست کتب طلب فرمائیے  
ادارہ اشاعت اُردو - عابد روڈ - حیدر آباد (دکن)





# ہماری مطبوعا

۳-۰-۰۰۰	ضرر میں - قیدی رام پوری	۳۱۲-	گرداب - احمد ندیم قاسمی
۲-۱۲-۰۰	تقییر دس - امین شرف پوری	۳۱۳-	سیلاب - " "
۲-۱۲-۰۰	رنگین سپنے - کوثر چاند پوری	۳-۳۰	اخگر انیاں - " "
۲-۳-۰۰	کردار - ابا القدری	۳۱۲-۰۰	لہریں - شفیق ارجمان
۰-۱۲-۰۰	مرد انقلاب قدوس مسہبانی	۲-۱۲-۰۰	افسانے اور ڈرامے - شوہ
۰-۹-۰۰	بخارا کا جمہوری انقلاب	۳-۰۰۰	زندگی کے نئے زاویے جیفی
۰-۹-۰۰	ترکستانی خاتون	۳۳۰۰	زندگی کی ٹھوکریں
۰-۱۲-۰۰	یوروپ شعرائے اردو	۲-۱۲-۰۰	مزلزلے - قدوس مسہبانی
۰-۹-۰۰	تیاروں پر زندگی کے اسکاٹ	۲-۱۲-۰۰	کروٹیں - " "
۳-۱۲-۰۰	مقالات محمد علی حسد اول	۲-۱۲-۰۰	ولولے - " "
۳-۱۲-۰۰	مقالات محمد علی حسد دوم	۰-۱۲-۰۰	پریم سچان
۳-۸-۰۰	ادب اور انقلاب انترائے پور	۱-۰۰۰	تقدیر آئین منظور بخاری
۳-۱۲-۰۰	رنگ محل ساغر نظامی	۲-۸-۰۰	یقین و عمل عبدالقدوس ششی
۳-۰۰۰	کاروان علم -	۱-۱۲-۰۰	قصص مسائل عبدالمجید دیابا

مکمل فہرست کتب طلب فرمائیے  
ادارہ اشاعت اردو - عابد روڈ - حیدر آباد (دکن)

